مؤلف ومترجم

خواجہ عابد رضا محسنی

خلاصہ اُردو

(المظفرؒ)

اصول الفقہ

(ج۔۱)

اصول الفقه

اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه
اصول الفقه اصول الفقه اصول الفقه

اصول الفقه

15043
Acc No. 102298 Date 16/12/04
Section اصول فقہ Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

المھدی بک سینٹر
اسلامک بکس ★ سی ڈیز ★ کیسٹس
شاپ#12 جامعۃ المنتظر H بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور
TEL: 042-5851823
www.mehdibooks.com
E-mail-info@mehdibooks.com

751

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صلی علی محمدؐ و آل محمدؐ

15034

No. 10298 Date 16/12/04

Section متفرق درسی Status

D.D. Class

NAJAFI BOOK LIBRARY

خلاصہ

اردو

اصول الفقہ (المظفرؒ)

مترجم

خواجہ عابد رضا محسنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

علم اصول علوم اسلامی میں سے ایک ایسا علم ہے جو اسلام کے وحی والے قانون سے وجود میں آیا ہے۔ اس علم کے مؤسسین ائمہ معصومین علیہم السلام تھے خصوصاً امام باقر و امام صادق علیہما السلام ہیں جو کہ حضرت فرماتے ہیں (علینا القاء الاصول وعلیکم ان تفرعوا) پھر ان کے لائق ترین شاگردوں نے اس علم کی تحقیق میں کمر بستہ ہو گئے تو یہ علم اپنے ابتدائی مراحل سے گزرتا ہوا آج عروج کی منزل پر ہے اس کی مختصر ترتیب کچھ یوں ہے کہ

اصحاب ائمہ علیہم السلام کے بعد جناب علم الہدی مرحوم السید مرتضی قدس سرہ نے کتاب (الذریعۃ الی اصول الشریعہ) کو لکھ کر اس علم میں نئی روح پھونکی پھر اس کے بعد ان کے فاضل ترین شاگرد مرحوم شیخ ابی جعفر طوسی قدس سرہ نے کتاب (عدہ الاصول) تحریر فرمائی۔ ان کے بعد مرحوم محقق اوّل قدس سرہ نے کتاب (معارج الاصول) کو تالیف فرمایا پھر ان کے بعد مرحوم علامہ حلی نے مختلف کتابیں تحریر فرمائیں۔ (تہذیب۔ نہایہ اور مبادی) پھر ان کے بعد شہید ثانی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند مرحوم الشیخ حسن قدس سرہ جو صاحب معالم الاصول کے نام سے مشہور ہیں (معالم الاصول) کو تحریر فرمایا پھر ان کے بعد مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ ابوالقاسم گیلانی المعروف مرزا قمی نے دقیق وعمیق کتاب (قوانین الاصول) کو لکھا پھر ان کے بعد اس علم میں ید طولیٰ رکھنے والے دو بھائیوں میں سے مرحوم تقی اصفہانی قدس سرہ نے کتاب (ہدایۃ المسترشدین) اور مرحوم الشیخ محمد حسین اصفہانی قدس سرہ نے کتاب (الفصول) کو تحریر فرمایا۔

پھر علم اصول کے متبحر اور متجدد آیۃ اللہ اعظمی حاج الشیخ مرتضیٰ انصاری قدس سرہ نے اس علم میں دو کتابوں کو تحریر فرمایا (مطارح الانظار اور فرائد الاصول) جو رسائل کے نام سے مشہور ہے۔ پھر ان کے بعد علم اصول کی مشہور ترین شخصیت اخوند ملا محمد کاظم خراسانی قدس سرہ نے (کفایۃ الاصول) کو تحریر فرمایا پھر اس کے بعد فیلسوف زمانہ اور حکیم فرزانہ مرحوم آیۃ اللہ مظفر نے اس دل پذیر کتاب (اصول الفقہ) کو تحریر فرمایا جو کہ انہوں نے مرحوم نائینی رحمۃ اللہ علیہ کے علم اصول کے ابتکاری دروس سے حاصل کیا تھا اس کو ذہین سے کاغذ پر لائے اور اس علم کے تشنہ لوگوں کے لیے ایک نئے انداز اور آسان روش میں پیش کیا۔ خداوند متعال ان لوگوں کے درجات بلند کرے جنہوں نے دین اسلام میں اپنی زندگی کو لگا کر حق عبودیت ادا کیا اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ان بزرگان دین کے نقش قدم پر چل کر اپنی ذمہ داریوں کو بطور احسن نبھا سکیں۔

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۳
حرم مقدس سلطان العرب والعجم
حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہما السلام
خواجہ عابد رضا محسنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صلی علی محمدؐ و آل محمدؐ

سوال:۱۔علم اصول کی تعریف کریں؟

جواب:۱۔(اصول الفقه هو علم يبحث فيه قواعد تقع نتيجتهافی طرق استنباط الحكم الشرعی)"الواقعی او الظاهری"

علم اصول میں ان قوانین وقواعد کلیہ میں بحث ہوتی ہے جو حکم شرعی کے استنباط میں کام آتے ہیں یعنی علم اصول سے جو دلیل (قیاس منطقی) حاصل ہوتی ہے اس کے جو دو مقدمے ہوتے ہیں ان میں سے ایک مقدمہ (کبریٰ قیاس) کی مدد سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اس کو حکم شرعی کہتے ہیں۔

سوال:۲۔کس طرح نماز کے وجوب کو آیۃ شریفہ ﴿وأقيمو ا الصلاة﴾ سے استنباط کیا جاتا ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب:۲۔نماز کے وجوب پر اس آیت کریمہ کی دلالت دو بنیادی چیزوں پر موقوف ہے۔

(الف) استدلال قیاس منطقی کا ہونا' لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ صیغۂ افعل کا ظہور وجوب میں ہے مثلاً (صغریٰ) ﴿اقیموا﴾ فعل امر ہے (کبریٰ) ہر فعل امر وجوب میں ظہور رکھتا ہے (نتیجہ) پس ﴿اقیموا﴾ کیونکہ فعل امر ہے یہ بھی وجوب میں ظہور رکھتا ہے۔

(ب) اصطلاحی عبارت میں یوں کہیں گے (صغریٰ) آیۃ کریمہ ﴿واقيمو ا الصلاة﴾ هی ظاهرة فی الوجوب الصلاة "(کبریٰ)"كل ماهو ظاهر فی الوجوب من القرآن حجة من الله على العباد" (نتیجہ) آیۃ کریمہ" واقيمو ا الصلاة التی هی ظاهرة فی الوجوب حجة من الله على العباد"

اس کے علاوہ یہ ثابت کرنا ایک ضروری امر ہے کہ قرآن غیر معصومین علیہم السلام کی نسبت سے بھی حجت ہے پھر جب ہم اس کبریٰ کو ثابت کرلیں گے تو اس کے بعد یوں کہیں گے۔

(صغریٰ) واقیموا کا صیغہ وجوب میں ظہور رکھتا ہے (کبریٰ) اور ظواہر قرآن حجت ہیں (نتیجہ) پس لفظ (اقیموا) کا ظہور وجوب میں بھی حجت ہے۔

سوال:۳۔حکم شرعی واقعی اور ظاہری کی تعریف کریں؟

جواب:۳۔حکم شرعی واقعی وہ حکم ہے جو شارع مقدس سے ذوات اشیا کو مدنظر رکھتے ہوئے صادر ہوا ہو بغیر اس کی طرف توجہ کئے کہ مکلّف اس حکم سے آگاہ ہے یا نہیں، مثلاً نماز کا واجب ہونا، خواہ مکلّف اس سے آگاہ ہو یا نہ، نماز واجب ہے۔

حکم شرعی ظاہری وہ حکم ہے کہ جب مکلّف حکم شرعی واقعی سے جاہل ہو اور شک کی حالت میں اپنے لئے جو وظیفہ شرعی مقرر کرے وہ حکم شرعی ظاہری کہلاتا ہے۔

مثلاً: غیر محرم عورت پر نگاہ کرنا حرام ہے اس حرمت پر مجتہدین عظام کے پاس اگر دلیل نہ ہو تو اس کو علم اصول کی اصطلاح میں شبہ تحریمیہ کہتے ہیں۔

مثلاً: غیر محرم پر نگاہ کرنا حرام ہے یا مکروہ ہے یا مباح ہے کیونکہ مجتہد کے پاس کسی حکم کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے تو مجتہد ایک دلیل ظاہری کو اپنے لئے معتبر قرار دے گا یہ معتبر سمجھنا یا تو حکم عقل یا شارع مقدس کی طرف سے ہوگا یعنی اصول عملیہ میں حکم برائت یا حکم احتیاط وغیرہ کی طرف رجوع کرے گا تا کہ عملی صورت میں اطمینان کے ساتھ اس پر عمل کر سکے۔

نوٹ: احکام شرعیہ واقعی کو (واقعیہ اوّلیہ) بھی کہتے ہیں احکام ظاہریہ کو (واقعیہ ثانویہ) بھی کہتے ہیں۔

سوال:۴۔احکام ظاہریہ کو بنانے کا کیا مقصد ہے؟

جواب:۴۔ان احکام کو وضع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب مجتہد کے لئے ادلّہ اجتہادیہ سے حکم واقعی نہ مل سکے تو وہ عمل کرنے میں سرگردان و پریشان نہ ہو اور ان احکام سے اپنی شرعی تکلیف کو مشخص و معین کر سکے۔

سوال:۵۔دلیل کی کتنی قسمیں ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب:۵ دلیل کی دو قسمیں ہیں (۱) دلیل اجتہادی (۲) دلیل فقاہتی

دلیل اجتہادی وہ دلیل ہے کہ جس کے توسط سے احکام شرعیہ واقعیہ ثابت ہوں اور یہ ادلّہ اربعہ پر منحصر ہیں۔ (کتاب، سنت، اجماع اور عقل)

دلیل فقاہتی وہ دلیل ہے جس سے حکم ظاہری ثابت ہو مثلاً اصول عملیہ (یعنی برائت، تخیر، احتیاط اور استصحاب) اور اصالۃ الطھارۃ و اصالۃ الصحۃ فی فعل المسلم

نوٹ) اس اصول عملیہ میں بعض ایسے اصول ہیں جو فقہ کے تمام ابواب میں قابل استفادہ ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک یا کچھ ابواب کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً **اصالة الطهارة**

سوال: ٦۔ علم اصول کا موضوع کیا ہے؟

جواب: ٦۔ بعض علماء اصول نے موضوع علم اصول کو ادلّۃ اربعہ پر منحصر کیا ہے بعض علماء نے ان میں استصحاب کا اضافہ کیا ہے اور قدماء نے قیاس واستحسان کا بھی اضافہ کر کے سات چیزوں کو علم اصول کا موضوع قرار دیا ہے۔

سوال: ۷۔ مرحوم مظفرؒ موضوع علم اصول کو کس طرح بیان فرماتے ہیں؟

جواب: ۷ مرحوم مظفرؒ مرحوم آخوندؒ کی بات کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علم اصول کا موضوع کوئی معین و مشخص نہیں ہے بلکہ ہر وہ مسئلہ جو حکم شرعی کے استنباط میں کام آئے وہ علم اصول کے مسائل میں سے ہے خواہ مذکورہ سات موضوعات میں سے بھی نہ ہو کیونکہ ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ علم اصول کے موضوع کو کچھ چیزوں پر منحصر کردیں تا کہ عوارض ذاتیہ پر موضوع علم اصول کا انحصار ہو بلکہ موضوع علم اصول وہ شئی ہے جس سے حکم شرعی (خواہ واقعی ہو یا ظاہری) اس کو استنباط کیا جائے خواہ وہ مذکورہ سات موضوعات میں سے ہو یا نہ ہو۔

سوال: ۸۔ علم اصول کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: ۸۔ علم اصول کے ذریعے ہم اس دلیل کو حاصل کریں گے کہ جس سے ہم احکام شرعیہ کو استباط کر سکتے ہوں کیونکہ یہ ہم جانتے ہیں کہ انسان کے ہر کام کے لئے شریعت میں کوئی نہ کوئی حکم موجود ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام احکام شرعیہ بدیہی طور پر مکلفین کے لئے واضح نہیں ہیں اس لئے اس کو ثابت کرنے کے لئے انسان دلیل کا محتاج ہے پس علم اصول کا فائدہ یہ ہے کہ مجتہد دلیل کو اسی علم سے حاصل کرتا ہے یعنی **(ففائدته اذن الاستعانة على الا ستدلال الاحكام من ادلتها)**

سوال: ۹۔ مباحث علم اصول کن مختلف امور میں تقسیم ہوتے ہیں ان امور کو بیان کریں؟

جواب: ۹۔ پانچ مختلف امور میں تقسیم ہوتے ہیں (۱) مباحث الفاظ (۲) مباحث امور عقلیہ (۳) مباحث حجت (۴) مباحث اصول عملیہ (۵) اور کتاب کے اختتامیہ کلمات پر تقسیم ہوتے ہیں کہ جس میں تعادل وتراجیح سے بحث کی جائے گی یعنی اگر دو دلیلیں آپس میں تعارض کریں تو کس کو ترجیح دیں یہ کہ ان دونوں کو چھوڑ دیں اس بارے میں کتاب کے اختتام میں گفتگو ہوگی۔

سوال: ۱۰۔ مباحث الفاظ میں کس چیز سے بحث کی جاتی ہے؟

جواب: ۱۰۔ اس میں صرف الفاظ کے معانی و مدلول سے گفتگو کی جاتی ہے یعنی ظواہر الفاظ کا کیا حکم ہے مثلاً کیا صیغۂ افعل وجوب میں ظہور رکھتا ہے؟ اور کیا صیغہ نہی حرمت میں ظہور رکھتا ہے؟۔ یعنی معانی الفاظ اور ظہور الفاظ میں کلی طور پر بحث کی جاتی ہے۔

سوال: ۱۱۔ مباحث عقلیہ میں کن چیزوں سے گفتگو ہوتی ہے؟

جواب: ۱۱۔ ان میں احکام شرعیہ کے لوازمات سے بحث کی جاتی ہے قطع نظر اس کے کہ ان پر لفظ دلالت کرتا ہے یا نہیں۔

مثلاً حکم شرعی اور حکم عقلی کے درمیان ملازمہ ہے یا نہیں؟

اسی طرح اس میں بھی گفتگو ہوگی کہ ذی المقدمہ کے وجوب اور مقدمہ کے وجوب میں ملازمہ ہے یا نہیں؟

سوال: ۱۲۔ مباحث حجت میں کن موارد سے گفتگو کی جاتی ہے؟

جواب: ۱۲۔ اس میں دلیل کی دلیلیت اور اس کی حجیت سے بحث ہوتی ہے، مثلاً خبر واحد، ظواہر کتاب، سنت نبوی اور اجماع و عقل یہ حجت ہیں یا نہیں؟ کیا یہ دلیل بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان سے حکم شرعی ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: ۱۳۔ مباحث اصول عملیہ میں کن امور سے گفتگو ہوتی ہے؟

جواب: ۱۳۔ مثلاً جب مجتہد کے پاس ادلۂ اجتہادیہ نہ ہوں جس سے وہ حکم واقعی کو حاصل کر سکے تو حکم شرعی ظاہری کو حاصل کرنے کے لئے وہ اصول عملیہ کی طرف رجوع کرے گا تا کہ سرگردان نہ رہے وہ اصول عملیہ برائت، احتیاط، تخییر اور استصحاب ہیں۔

مقدمه

۱۴ مباحث

۱ — حقیقت الوضع

۲ — واضع کون؟

۳ — الوضع تعیینی و تعیّنی

۴ — اقسام الوضع

۵ — استحالة القسم الرابع

۶ — وقوع الوضع العام والموضوع له الخاص و تحقیق المعنی الحرفی۔ الوضع فی الحروف عام و الموضوع له خاص

۷ — الاستعمال حقیقی و مجازی

۸ — دلالت کا ارادة کے تابع ہونا

۹ — الوضع شخصی و نوعی

۱۰ — وضع المرکبات

۱۱ — علامات حقیقت و مجاز

۱۲ — الاصول اللفظیة

۱۳ — الترادف والاشتراک — استعمال اللفظ فی اکثر من معنی

۱۴ — حقیقت شرعیة = صحیح و اعم

(نوٹ) مرحوم مصنفؒ نے مقدمہ کتاب میں ۱۴ موضوعات پر بحث فرمائی ہے اس کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) حقیقت وضع میں تحقیقی نظر (۲) واضع کون ہے (۳) وضع تعیینی و تعیّنی (۴) اقسام وضع (۵) قسم چہارم وضع کا غیر ممکن ہونا (۶) وضع عام و موضوع لہ خاص ہونے کا ثبوت اور معنی حرفی میں تحقیق (۷) استثناء حقیقی و مجازی (۸) کیا دلالت تابع ارادہ ہے (۹) وضع شخصی و نوعی (۱۰) وضع مرکبات (۱۱) علائم حقیقت و مجاز (۱۲) اصول لفظیہ (۱۳) ترادف واشتراک (۱۴) حقیقت شرعیہ

سوال: ۱۴۔ الفاظ کی معانی پر دلالت کس قسم کی ہوتی ہے؟

جواب: ۱۴۔ الفاظ کی معانی پر دلالت وضع واضع کی تابع ہے اسی وجہ سے علماء منطق الفاظ کی معانی پر دلالت کو دلالت لفظیہ وضعیہ کی اقسام میں سے قرار دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ کی معانی پر دلالت ذاتی نہیں ہے بلکہ اعتباری و وضعی ہے یعنی ایک لفظ کو ایک معنی کے ساتھ اختصاص دینے کا نام ہے۔

سوال: ۱۵۔ لغت عرب کا واضع کون ہے؟

جواب: ۱۵۔ واضع ایسا شخص ہونا چاہئے کہ تمام انسان اپنے الفاظ کے معانی کو سمجھنے میں اس کے نقش قدم پر چلیں۔ لیکن مرحوم مظفرؒ قائل ہیں کہ واضع ایک شخص نہیں ہوسکتا بلکہ خداوند عالم نے انسان کی طبیعت ذاتی کے اندر ایک قوت عطا کی ہے کہ جس کے سبب سے وہ الفاظ کو اختراع کرتا ہے تاکہ اپنے مقاصد کو دوسروں تک پہنچا سکے اگر بالفرض واضع لغت ایک شخص ہوتا تو تاریخ میں اس کا نام ذکر ہوتا اشاعرہ اور صاحب کتاب اصول استنباط واضع لغات کو خداوند متعال کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

سوال: ۱۶۔ وضع کی حقیقت کیا ہے اور اس کی تعریف بیان کریں؟

جواب: ۱۶۔ مرحوم مظفرؒ کی نظر میں وضع کا معنی مصدری ہے یعنی واضع لفظ کے مقابلے میں کسی خاص معنی کو مختص کر دیتا ہے تو اس کو وضع کہتے ہیں۔ "اختصاص اللفظ بالمعنى" کیونکہ اگر الفاظ کی دلالت معانی پر ذاتی ہوتی تو انسان تمام معانی کو بالفور سمجھ لیتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ معانی کو جاننے کے لیے لغت کا محتاج ہے۔

سوال: ۱۷۔ وضع کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ۱۷۔ وضع کے لئے تین قسمیں بیان کی گئیں ہیں (۱) وضع کی تقسیم یا تو کسی خصوصیت وضع کی وجہ سے ہوگی یا واضع کے سبب ہوگی (۲) یا تقسیم وضع موضوع لہ (معنی) کے لحاظ سے ہوگی (۳) یا وضع کی تقسیم موضوع (لفظ) کے اعتبار

سے ہوگی۔

سوال:۱۸۔اگر وضع کو اس کی خصوصیت اور نوعیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وضع کتنی قسموں پر مشتمل ہے؟

جواب:۱۸۔وضع دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) وضع تعیینی (۲) وضع تعیّنی

۱۔وضع تعیینی: وہ وضع ہے کہ لفظ کو کسی معنی کے ساتھ خاص کر دیں مثلاً خداوند متعال نے کسی کو فرزند عطا فرمایا اہل خانہ نے اس کا نام (علی) رکھ دیا تو یہ (لفظ علی) آہستہ آہستہ اس نومولود کے لئے خاص ہو جائے گا یہ اختصاص جو کہ اس بچہ کے ساتھ اس لفظ کا ہوا ہے یہ وضع کی وجہ سے ہوا ہے یعنی واضع نے اس لفظ کو معنی مخصوص کے لئے وضع کیا ہے۔

۲۔وضع تعیّنی: یہ ایسی وضع ہے جو کثرت سے استعمال کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے مثلاً لفظ (صلاۃ) عرف متشرعہ میں نماز کے معنی میں حقیقت ہو گیا کیونکہ پہلے دعا کے معنی میں تھا اب اس معنی خاص میں استعمال ہونے لگا اب یہ کثرت استعمال سے منقول عرفی ہو گیا ہے اگرچہ عرف خاص نے اس کو نقل کیا ہے لیکن پھر بھی کثرت استعمال کے سبب لفظ معنی خاص کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔

سوال:۱۹۔وضع موضوع لہ (معنی) کے اعتبار سے چند قسموں پر تقسیم ہو سکتی ہے؟

جواب:۱۹۔چہار قسموں پر تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) وضع خاص و موضوع لہ خاص (۲) وضع عام و موضوع لہ عام (۳) وضع عام و موضوع لہ خاص (۴) وضع خاص موضوع لہ عام

سوال:۲۰۔وضع کی پہلی تین قسموں کے لئے مثال بیان کریں؟

جواب:۲۰۔(۱) وضع خاص و موضوع لہ خاص کی مثال اعلام شخصیہ مثلاً لفظ محمد، رسول، علی (۲) وضع عام و موضوع لہ عام کی مثال اسماء اجناس مثلاً انسان ، ماء، حیوان ، نجم (۳) وضع عام و موضوع لہ خاص کی مثال اسماء موصولات و اسماء اشارات (۴) چوتھی قسم ہمارے نظریے کے مطابق ممتنع و محال ہے اسی وجہ سے اس کی مثال بھی نہیں ہے۔

سوال:۲۱۔علماء اصول وضع کی کون سی قسم میں اختلاف کرتے ہیں؟

جواب:۲۱۔(۱) قسم چہارم کے امکان میں اختلاف ہے۔(۲) قسم سوم کے وقوع میں اختلاف ہے۔

قسم چہارم میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ موضوع لہ بوجہہ وبعنوانہ (یعنی اجمالی طور پر) ہو سکتا ہے یا نہیں۔

مرحوم مصنف" قائل ہیں کہ چوتھی قسم میں اصلاً اس کا تصور ممکن نہیں ہے کیونکہ خاص عام کی حکایت نہیں کر سکتا اور

خاص جزئی ہے وہ اپنے اندر کلی کا معنی نہیں دے سکتا مثل مشہور ہے کہ ’’فاقد شئی معطی شئی‘‘ نہیں ہو سکتا لیکن تیسری قسم موجود ہے کیونکہ عام اپنے اندر حتماً خاص کا معنی رکھتا ہے اس کی مثال حروف، اسماء اشارہ، ضمائر، اور اسماء استفہام بتائے جاتے ہیں۔

سوال:۲۲۔معنی اسمی اور حرفی میں کیا فرق ہے؟

جواب:۲۲۔حروف اس لئے وضع ہوئے ہیں کہ غیر مستقل معنی دیں یعنی رابطے کا کام انجام دیں۔

لیکن اسماء مستقل معنی کے لئے وضع کیے گئے ہیں،

معانی اسمیہ مستقل معنی رکھتے ہیں، لیکن معانی حرفیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل نہیں ہیں بلکہ وہ کلمات جو علیحدہ علیحدہ ہیں ان میں ارتباط کا کام دیتے ہیں۔

سوال:۲۳۔حروف کی وضع میں کتنے اقوال ہیں؟

جواب:۲۳۔(۱) شیخ رضیؒ اور مرحوم آخوندؒ کا نظریہ یہ ہے کہ حروف کی وضع عام و موضوع لہ بھی عام ہے یعنی جس طرح حروف کا موضوع لہ (معنی) ہے اسی طرح اسماء کا موضوع لہ بھی بعینہ وہی ہے فقط ان میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اسماء وہاں استعمال ہوتے ہیں جہاں معنی کو مستقل طور پر استعمال کرنا ہو لیکن حروف معنی غیر مستقل میں استعمال ہوتے ہیں فرق صرف لحاظ استقلالی اور عدم استقلالی میں ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ حروف کسی بھی معنی کے لئے وضع نہیں ہوتے ہیں بلکہ ایک علامت اور نشانی ہیں یہ جن الفاظ کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں ان کی خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں جس طرح ’جاءَ زَیدٌ‘ میں علامت رفع لفظ زید کے فاعل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) مرحوم مصنفؒ اور مشہور علماء اصولیین اور متاخرین کا نظریہ یہ ہے کہ معانی حروف، معانی اسماء کے ساتھ تباین کلی رکھتے ہیں کیونکہ حرف کا معنی غیر مستقل اور آلۃ کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن اسم اس کے خلاف ہے وہ معنی مستقل رکھتا ہے وہ اپنے معنی میں مُتَعَلَّق کا محتاج نہیں ہے لیکن حروف اپنے معنی دینے میں مُتَعَلَّق کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح ہیئت جملات اور ہیئت افعال وہیئت اسماء بھی غیر مستقل معنی رکھتی ہیں کیونکہ مُتَعَلَّق کے محتاج ہیں۔

مرحوم مصنفؒ اپنے نظریے کے اثبات میں اور دوسرے دو نظریوں کے بطلان میں دو دلیلیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ہماری قوت وجدان و عقل اس بات کو قبول کرتی ہے کہ جس طرح لفظ زید کو ایک الگ معنی کے لئے وضع کیا گیا

ہے اور لفظ قیام کو ایک الگ معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور خارج میں ان کا وجود بھی ہے اور یہ معنی مستقل بھی رکھتے ہیں اور اسی طرح سے دوسرے الفاظ جو مستقل معنی تو نہیں رکھتے لیکن دو یا اس سے زیادہ معانی میں رابطے کا کام دیتے ہیں ہم اپنے جملات کی تشکیل میں ان الفاظِ روابط کے بھی محتاج ہیں ورنہ کلام تام و کامل نہیں ہوگا اور ان روابط کے معانی کو حروف ہی انجام دیتے ہیں۔

(۲) اگر ہم یہ قائل ہو جائیں کہ معانی حروف عین معنی اسم ہیں تو حرف کو اسم کی جگہ پر استعمال کرنا صحیح ہونا چاہئے تھا حالانکہ یہ بدیہی طور پر باطل ہے۔

وضع حروف: مرحوم مصنفؒ اپنے نظریے کے مطابق وضع عام موضوع لہ خاص کو ثابت کرنے کے لئے دو مقدمے ذکر کرتے ہیں۔

مقدمۂ اول: یہ تو مسلّم بات ہے کہ کسی بھی جملے میں ایک نہ ایک نسبت حکمیہ ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ہر جملے میں ایک جیسی نہیں ہوتی یعنی موضوع و محمول کے درمیان جو نسبت ہوتی ہے (وہ جزئی حقیقی ہے) پس وہ خاص ہے یعنی ہر ایک جملے کے ساتھ وہ نسبت مخصوص ہے۔

مقدمۂ دوم: دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رابطے کا کام کرنے والے حروف لغت میں زیادہ اور لامحدود ہیں تو ضروری ہے کہ ان کی وضع کے لئے مفہوم کلی کو ذہن میں رکھنا ہوگا اور ہر ایک کا تصور جداگانہ کرنا ممکن نہیں ہے مثال کے طور پر (حرف من جارہ) خارج میں ابتداء کی نسبت کے لئے وضع ہوا ہے یہاں مفہوم کلی ابتداء کو تصور کریں گے پھر لفظ (من) کو جزئی نسبتوں کے لئے وضع کریں گے جو ابتداء کے معنی میں ہوں گی اس سے معلوم ہوگا کہ حروف میں وضع عام اور موضوع لہ خاص و جزئی ہے پس مختلف جملات میں یہ جزئیات پائے جاتے ہیں جیسے جملہ (سرت من البصرة الى الكوفه) میں موجود ہے۔

سوال: ۲۴۔ حقیقت و مجاز اور غلط معنی کی تعریف کریں؟

جواب: ۲۴۔ حقیقت: حقیقت وہ ہے کہ لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا جائے جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے لفظ اسد حیوان درندہ کے لئے استعمال ہوتا ہے،

مجاز: مجاز وہ ہے کہ لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا جائے جس معنی کے لئے وضع نہ کیا گیا ہو لیکن شرط یہ ہے کہ معنی حقیقی اور معنی مجازی میں کوئی نہ کوئی نسبت و علاقہ ہونا چاہئے مثلاً (علاقہ جزء و کل، حال محل، سبب مسبب اور اس کے علاوہ

بھی مختلف نسبتیں ہیں)

معنی غلط: وہ ہے کہ جو معنی حقیقی کے ساتھ کوئی بھی مناسبت نہ رکھتا ہو۔

سوال: ۲۵۔ معنی حقیقی اور معنی مجازی میں کیا فرق ہے؟

جواب: ۲۵۔ معنی حقیقی کا استعمال واضع کی وضع کی و[illegible] ہوتا ہے لیکن معنی مجازی میں لفظ کو استعمال کرنے میں شرط ہے کہ وہ معنی مجازی معنی حقیقی کے ساتھ کوئی نہ کوئی مناسبت ہو اور انسان کا ذوق سلیم اور مزاج بھی اس کو قبول کرے۔

سوال: ۲۶۔ استعمال مجازی کی تعریف میں علماء کے کیا نظریات ہیں؟

جواب: ۲۶۔ استعمال مجازی کی تعریف میں علماء کے نظریات مختلف ہیں ان نظریات کو بیان کرنے لئے سب سے پہلے اس سوال کو مدنظر رکھنا ہوگا کہ کیا لفظ کا (علم بیان) کے اندر اپنے معنی مجازی میں استعمال ہونا اور واضع کی اجازت یا مذکورہ نسبتوں کا اس استعمال میں پایا جانا ضروری ہے؟

اس میں چند اقوال ہیں۔

۱۔ علماء قدماء کے نزدیک ہر استعمال مجازی کے صحیح ہونے کے لئے واضع کی اجازت اور لفظ و معنی میں علاقات متناسبہ کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اس مسئلہ میں مصنفؒ اپنے استاد مرحوم آخوندؒ اور مشہور علماء اور متاخرین کا نظریہ رکھتے ہیں کہ استعمال مجازی ذوق سلیم سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں وضع واضع کی ضرورت نہیں ہے حتی اگر واضع اس استعمال سے منع بھی کرے جیسے لفظ اسد کو رجل شجاع میں استعمال کرنا صحیح ہے اسی طرح سے اگر کسی شخص کے منہ سے بدبو آتی ہو تو اس کے لئے لفظ (اسد) کا استعمال صحیح نہیں ہے خواہ واضع اس کی اجازت بھی کیوں نہ دے دے۔

سوال: ۲۷۔ دلالت کی کتنی قسمیں ہیں اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں؟

جواب: ۲۷۔ دلالت کی دو قسمیں ہیں (۱) تصوریہ (۲) تصدیقیہ

تصوریہ: وہ دلالت ہے کہ لفظ کے بولنے سے انسان کا ذہن معنی کی طرف متوجہ ہو جائے خواہ بولنے والے کا ارادہ وقصد بھی نہ ہو یعنی نیند کی حالت میں یا بھول کر یا غلطی سے اس کی زبان پر کوئی لفظ (یونہی) جاری ہو جائے تو فوراً وہ معنی سمجھ میں آجائے گا۔

تصدیقیہ: وہ دلالت ہے کہ متکلم نے اس لفظ سے جس معنی کا ارادہ کیا ہے اسی پر وہ لفظ دلالت کرے۔

سوال:۲۸۔ دلالت تصدیقیہ کن چیزوں پر موقوف ہے وضاحت سے بیان کریں؟

جواب:۲۸۔ دلالت تصدیقیہ چار چیزوں پر موقوف ہے۔(۱) متکلم جس معنی کو بتانا چاہتا ہے اسی کے بیان کرنے اور سمجھانے کا ارادہ رکھتا ہو(۲) متکلم اس معنی سے ارادہ جدّی رکھتا ہو اور مزاح کے طور پر بیان نہ کرے(۳) مخاطب کو یہ معلوم ہو کہ متکلم اسی معنی کا قصد کرتا ہے اور اس کی طرف وہ متوجہ ہے(۴) اور معنی غیر موضوع لہ کے لئے کلام میں قرینہ ذکر نہ ہو۔

سوال:۲۹۔ کیا دلالت تابع ارادہ ہے؟

جواب:۲۹۔ مرحوم مظفرؒ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک دلالت تابع ارادہ ہے اور اس کو سب سے پہلے مرحوم خواجہ نصیر الدین طوسیؒ اور بو علی سینا نے ذکر کیا ہے۔

سوال:۳۰۔ اگر دلالت تابع ارادہ ہے تو اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب:۳۰۔ دلالت تابع قصد وارادہ ہے کیونکہ دلالت تصدیقیہ کو ہی دلالت کہا جاتا ہے لیکن دلالت تصوریہ کو مجازاً دلالت کہا گیا ہے(از باب تداعی المعنی) کیونکہ دلالت تصدیقیہ اور تصوریہ میں کچھ نہ کچھ مناسبت موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سے دلالت تصوریہ کو بھی دلالت کہا جاتا ہے لیکن دلالت تصدیقیہ میں ارادہ متکلم کا ہونا ضروری ہے ارادہ متکلم میں جو کاشفیت ہے وہ دلالت تصوریہ میں موجود نہیں ہے اسی وجہ سے حقیقت میں دلالت تصدیقیہ کو ہی دلالت کہا جاتا ہے اور یہی دلالت تابع ارادہ ہوتی ہے۔

سوال:۳۱۔ دلالت تصدیقیہ میں قصد وارادہ کے معتبر ہونے کا کیا راز ہے اس کی وضاحت مثال کے ساتھ بیان کریں؟

جواب:۳۱۔ جیسے ہم نے ''منطق المظفر'' کی پہلی جزء میں بیان کیا ہے کہ دال مدلول کے وجود کو کشف کرتا ہے اور اس سے پردہ اٹھاتا ہے اور دال کے علم سے مدلول کا علم حاصل ہوتا ہے خواہ دال (دلالت کرنے والا) لفظ ہو یا غیر لفظ ہو مثلاً اگر دروازے پر کوئی گھنٹی بجائے تو صاحب خانہ متوجہ ہو جاتا ہے کہ دروازے پر کوئی شخص موجود ہے ہاں اگر گھنٹی کسی کی خرابی یا کوئی اور وجہ سے بج جائے تو یہ کسی شخص کے دروازے پر موجود ہونے پر دلالت نہیں کرے گی اگرچہ سامع کے ذہن میں اس کی آواز سے کسی شخص کا تصور بھی آجائے۔ پس دلالت تصدیقیہ میں یہ شرط ہے کہ متکلم اس معنی کو قصد کرے اور بغیر قصد وارادہ کے دلالت صادق نہیں آتی۔

سوال:۳۲۔ دلالت لفظیہ کی تعریف کریں؟

جواب:۳۲۔ دلالت لفظیہ وہ دلالت ہے کہ متکلم کی زبان سے لفظ کے نکلنے سے اس کے معنی اور مراد متکلم کا علم حاصل ہو جائے ''معنی'' کو اسی وجہ سے معنی کہتے ہیں کہ مراد متکلم ہے کیونکہ لفظ ''معنی'' (عناہ) سے مشتق ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب متکلم لفظ سے کسی خاص شئی کا قصد کرے۔''

سوال:۳۳۔ وضع شخصی اور نوعی کی تعریف کریں؟

جواب:۳۳۔ وضع شخصی: کبھی واضع لفظ کو بنفسہ اور مستقل طور پر تصور کرتا ہے اور کسی خاص معنی کے لئے اس کو وضع کرتا ہے اس کو وضع شخصی کہتے ہیں۔

وضع نوعی: کبھی واضع لفظ کو بنفسہ تصور نہیں کرتا بلکہ بوجہ و بعنوانہ یعنی اجمالی طور پر قصد کرتا ہے تا کہ تمام افراد کو شامل ہو جائے تو اس کو وضع نوعی کہتے ہیں۔

سوال:۳۴۔ وضع نوعی کو مثال کے ساتھ بیان کریں؟

جواب:۳۴۔ وضع نوعی کی مثال ہیئات فعل ماضی، مضارع اور امر وغیرہ ہیں ان کو بطور کلی اور اجمالی دونوں حالتوں میں وضع کیا گیا ہے کیونکہ ہیات کا تصور الفاظ کی شکل میں بھی ممکن ہے مثلاً کلمہ (ضَرَبَ) کی ہیئت اور وزن کا تصور (ض، را، با) میں ہے اگر یہ نہ ہوں تو ہیئت کا ہونا ممکن نہیں تو جہاں بھی یہ وزن فَعَلَ ہوگا وہ فعل ماضی ہوگا اسی طرح ہیئت مضارع اور فعل امر ہے اگر چہ مفردات کی وضع ہے یہ بھی وضع نوعی کہلاتی ہے۔

سوال:۳۵۔ ھیئات موضوعہ کتنی قسموں پر مشتمل ہیں؟

جواب:۳۵۔ ھیئات موضوعہ دو قسموں پر مشتمل ہیں۔

(۱) وہ ھیئات جو معانی مفردہ کے لئے وضع ہوئی ہیں مثلاً ھیئات مشتقات، جیسے ھئیت فعل، اسم فاعل، اسم مفعول، اسم تفضیل، اور اسی طرح دوسرے مشتقات، یہاں بھی وضع نوعی ہے اس کو وضع مفردات کہتے ہیں جیسے زیدٌ اور قائمٌ

(۲) وہ ھیئات جو معانی مرکبہ کے لئے وضع ہوئیں ہیں۔ مثلاً ھیئت ترکیبیہ فعل اور فاعل کے درمیان جو کہ کام کو فاعل کی طرف نسبت دینے کے لئے وضع ہوتی ہیں یا مثلاً ھیئت ترکیبیہ جیسے مبتداء اور خبر کے درمیان ہے جو کہ خبر کو مبتداء پر حمل کرنے کا فائدہ دیتی ہے مثلاً زید قائم

(نوٹ) اگر چہ یہاں سوال اُٹھتا ہے کہ مرکبات بھی مفردات کے علاوہ ایک علیحدہ وضع رکھتے ہیں تو تیسری وضع ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا ہے۔

سوال:۳۶۔حقیقت ومجاز کی پہچان کیا ہے؟

جواب:۳۶۔حقیقی معنی کی پہچان کے تین طریقے ہیں۔ا۔تبادر ۲۔عدم صحت سلب وصحت حمل ۳۔اطراد اور اسی طرح عدم تبادر، صحت سلب، عدم صحت حمل اور عدم الاطراد علامات مجاز کہلاتی ہیں۔

سوال:۳۷۔تبادر کی وضاحت کے ساتھ تعریف کریں اور بتائیں کہ یہ کتنی قسموں پر مشتمل ہے؟

جواب:۳۷۔تبادر: جولفظ ایک خاص معنی پر دلالت کررہا ہے وہ کسی سبب کی وجہ سے ہونا چاہئے کیونکہ یہ مسلّم بات ہے کہ لفظ کی دلالت معنی پر ذاتی نہیں ہوتی ہے یہ پہلے بیان ہو چکا ہے پس اگر کسی قرینہ حالیہ ومقالیہ کی وجہ سے دلالت ہو تو یہ دلیل ہے کہ مستقل دلالت نہیں ہے اگر بغیر کسی قرائن کے لفظ کو سنتے ہی معنی ذہن نشین ہو جائے تو اس کو تبادر کہتے ہیں اور یہ علامت حقیقت ہے کہ یہ معنی اس لفظ کا "حقیقی معنی" ہے اس دلالت کو دلالت وضعیہ عقلیہ کہتے ہیں۔

ا۔لفظ کے بولنے سے جو معنی دوسرے معانی کی نسبت سے جلدی ذہن میں آجائے تو اس کو تبادر کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔اگر انسان کا ذہن لفظ کے سننے سے بغیر قرینہ کے کسی معنی کی طرف منتقل ہو جائے مثلاً "رأیت اسد اً" سے انسان کا ذہن حیوان مفترس کی طرف منتقل ہو جائے۔اس کو بھی تبادر کہتے ہیں، یہ بھی حقیقت کی علامت ہے۔

۲۔اگر لفظ کے بولنے سے انسان کا ذہن کسی معنی کی طرف منتقل ہو جائے لیکن قرینہ بھی اس کے ساتھ ہو تو یہ معنی مجازی ہونے کی دلیل ہے۔مثلاً "رأئت الا سداً یرمی"

سوال:۳۸۔تبادر پر جو دور کا اشکال لازم آتا ہے اس اشکال کو جواب کے ساتھ بیان کریں؟

جواب:۳۸۔جس طرح آپ نے بتادر کی تعریف کی ہے کہ لفظ کے سننے سے فوراً معنی ذہن میں آجائے تو اس کو تبادر کہتے ہیں اس کا لازمہ یہ ہے کہ پہلے علم بالوضع ہونا چاہئے کہ یہ لفظ اس معنی کے لئے وضع ہوا ہے تب اس کا معنی سمجھ میں آئے گا حالانکہ علم بالوضع کے لئے پہلے تبادر کا ہونا ضروری ہے جس کو ہم پہلے فرض کر چکے ہیں پس تبادر علم بالوضع پر موقوف ہے اور علم بالوضع تبادر پر موقوف ہے یہ دور ہے۔

جواب: تبادر کا علم بالوضع پر موقوف ہونا بطور اجمالی وارتکازی ہے جو استعمال کے سبب عرف عام کی زبان پر جاری

ہوتا ہے اس کو معنی ارتکازی کہتے ہیں لیکن علم بالوضع جس تبادر پر موقوف ہے وہ علم تفصیلی ہے کہ الفاظ کے معانی انسان کو تفصیلی طور پر معلوم ہونے چاہئیں جس سے وضع کا علم حاصل ہوگا۔

سوال: ۳۹۔ حمل اور سلب حمل کی وضاحت کریں؟

جواب: ۳۹۔ حمل اس کو کہتے ہیں کہ جملے کی دوسری جزء کو پہلی جزء کے ساتھ نسبت دینا، مثلاً (زید قائم) میں قائم کو زید کے ساتھ نسبت دی گئی ہے اس کو حمل کہتے ہیں۔

سلب حمل اس کو کہتے ہیں کہ جزء دوم کے اسناد کو جزء اول سے سلب و نفی کرنا مثلاً (لیس زید بقائم) اس میں قائم کو زید سے سلب کیا گیا ہے۔

سوال: ۴۰۔ عدم صحت سلب اور صحت سلب کی وضاحت کریں؟

جواب: ۴۰۔ اگر لفظ کے معنی موضوع لہ کو اس سے سلب و جدا کرنا صحیح ہو تو وہ معنی مجازی ہوگا اگر سلب کرنا صحیح نہ ہوا تو وہ معنی حقیقی ہوگا مثلاً اگر (الحیوان الناطق لیس با نسان) اگر یہ کہنا صحیح ہوا تو انسان کا معنی حیوان ناطق ہونا مجاز ہوگا اور اگر سلب کرنا صحیح نہ ہوا تو معنی حقیقی ہوگا۔

سوال: ۴۱۔ حمل کی کتنی قسمیں ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب: ۴۱۔ حمل کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ حمل اوّلی ۲۔ حمل شائع صناعی

اوّل: ۔ حمل اوّلی: جس کلام کا موضوع اور محمول مصداق و مفہوم کے اعتبار سے ایک ہو اگر ان میں جو تغایر بھی ہوگا تو وہ اعتباری ہوگا۔ مثلاً مترادفین کو ایک دوسرے پر حمل کرنا۔ (انسان بشر) یا (الانسان حیوان ناطق) ان میں ایک لفظ حمل ہو اور دوسرا مفصّل ہو اور ان کا ایک دوسرے پر حمل کرنا، اور اس حمل کو سلب کرنا بھی صحیح ہو تو یہ علامت حقیقت ہوگا۔

دوّم: ۔ حمل شائع صناعی: وہ ہے کہ محمول موضوع سے اعم ہو اس طرح کہ خود موضوع محمول کے افراد میں سے ہو اس میں ملاک و معیار یہ ہے کہ مصداق میں اتحاد ہو یعنی وجود کے اعتبار سے ایک ہوں اور مفہوم میں اختلاف ہو مثلاً (زید انسان) یا (الانسان حیوان) عموماً موضوع اور محمول کے درمیان نسب اربعہ میں سے تین نسبتیں ہوتی ہیں اگر جملہ کے موضوع و محمول میں تباین کی نسبت ہوگی تو یہاں حمل صحیح نہیں ہوگا۔

تو اس صورت میں یہ حمل علامت حقیقت نہیں بن پائے گا بلکہ علامت مجاز ہوگا کیونکہ حمل کا سلب کرنا صحیح ہے۔ جس طرح تبادر میں بیان ہوا ہے کہ متکلم لغت کا عالم ہونا چاہئے ورنہ متکلم کو عالم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اشکال دور یہاں

بھی آتا ہے اس کا جواب وہی جواب ہے جو تبادر میں ذکر ہو چکا ہے۔

سوال: ۴۲۔ اطراد کی تعریف کریں؟

جواب: ۴۲۔ لفظ کو معنی مشکوک میں کثرت سے استعمال ہونے کو اطراد کہتے ہیں مثلاً آپ کہیں (زیدٌ عالمٌ) بعد میں دیکھیں کہ زید کی طرف علم کی نسبت طالب علم ہونے کی وجہ سے ہے یہی صفت خالد میں بھی ہے پس وہ بھی عالم ہے اصغر میں بھی وہی نسبت ہے وہ بھی عالم ہے پھر اس میں آہستہ آہستہ کثرت سے استعمال ہونے لگے پھر عرف عام کے نزدیک اس لفظ کا استعمال اس معنی میں مشہور ہونے کی بناء پر صحیح ہو جائے تو اس کو اطراد کہتے ہیں۔

سوال: ۴۳۔ کیا اطراد حقیقت کی علامت ہے؟

جواب: ۴۳۔ مرحوم مظفرؒ صاحب الکفایۃ کا نظریہ اپناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اطراد علامت حقیقت نہیں ہے کیونکہ اگر ایک مرتبہ لفظ کا استعمال کسی معنی میں صحیح ہو جائے تو یہ استعمال ہمیشہ کے لئے صحیح ہے کیونکہ ممکن ہے یہ استعمال حقیقتاً ہو اور ممکن ہے کہ مجازاً ہو پس دونوں صورتوں میں یہ استعمال صحیح ہے اسی وجہ سے اطراد علامت حقیقت نہیں بن سکتا۔

سوال: ۴۴۔ اصول لفظیہ کی کتنی قسمیں ہیں بیان کریں؟

جواب: ۴۴۔ لفظ میں دو طرح کا شک ہو سکتا ہے (۱) اگر شک معنی موضوع لہ میں ہو تو اس کی بحث حقیقت و مجاز میں گذر چکی ہے (۲) ہاں اگر شک مراد متکلم میں ہو کہ متکلم نے اس سے کونسا معنی مراد لیا ہے کیونکہ استعمال عام ہے یعنی حقیقت اور مجاز دونوں میں پایا جاتا ہے لیکن مراد متکلم میں شک ہے کہ کون سا معنی مراد لیا گیا ہے ہاں! اگر علماء مراد متکلم میں شک کریں تو شک کی صورت میں وہ اصول لفظیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اصول لفظیہ کا انحصار دو قسموں پر ہے۔

(۱) اصول لفظیہ عقلائیہ: یہ وہ اصول ہیں جن کو عقلاء عالم اپنے خطابات اور گفتگو میں اپنی زبان پر لاتے ہیں۔

(۲) اصول لفظیہ شرعیہ: ان اصولوں کو کہتے ہیں کہ جن کو شارع مقدس اپنے خطابات میں بیان فرمائے تو وہ بھی اصول عقلائیہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔

سوال: ۴۵۔ اصول لفظیہ شرعیہ کے اہم موارد بیان کریں؟

جواب: ۴۵۔ وہ پانچ موارد ہیں (۱) اصالۃ الحقیقۃ (۲) اصالۃ العموم (۳) اصالۃ الاطلاق (۴) اصالۃ عدم التقدیر (۵) اصالۃ الظہور

سوال: ۴۶۔ قاعدۃ اصالۃ الحقیقۃ کہاں کہاں جاری ہوتا ہے اس کو مثال سے بیان کریں؟

جواب: ۴۶۔ مثلاً ایک لفظ کے دو معنی ہیں حقیقی اور مجازی لیکن ہم شک کر رہے ہوں کہ متکلم نے اس سے کونسا معنی مراد لیا ہے یعنی اس لفظ کو متکلم نے معنی مجازی میں استعمال کیا ہے یا معنی حقیقی میں! لیکن اس پر ہمیں کوئی قرینہ بھی نہ ملا ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ متکلم نے اس لفظ سے معنی مجازی مراد لیا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہاں معنی حقیقی ہے اور (اصالۃ الحقیقۃ) کو جاری کریں گے اور کہیں گے کہ یہاں متکلم نے معنی حقیقی مراد لیا ہے جیسے متکلم لفظ اسد کو کہے اور ہم شک کریں کہ لفظ اسد سے رجل شجاع مراد لیا گیا ہے یا حیوان درندہ، لیکن اس معنی مجاز پر قرینہ نہ ہونے کی صورت میں لفظ سے معنی حقیقی مراد لیں گے۔

سوال: ۴۷۔ قاعدۃ اصالۃ العموم کہاں کہاں جاری ہوتا ہے مثال سے واضح کریں؟

جواب: ۴۷۔ متکلم نے لفظ عام کو کلام میں ذکر کیا ہو لیکن ہم شک کریں کہ ممکن ہے معنی خاص مراد متکلم ہو لیکن کلام میں اس معنی خاص پر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے تو اس لفظ سے معنی عام مراد لیں گے اور اصالۃ العموم کو جاری کرتے ہوئے کہیں گے کہ متکلم کی مراد معنی عام ہے مثلاً (اکرم کل عالم) ہم اس میں شک کریں کہ یہاں عالم عادل مراد ہے لیکن کوئی قرینہ اس پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ (عالم) کے لفظ سے عادل و فاسق دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں تو دونوں معنی مراد متکلم ہیں اس کو ثابت کرنے کے لئے قاعدۃ اصالۃ العموم سے استفادہ کیا گیا ہے یعنی اگر شک ہو کہ لفظ کا معنی متکلم نے عام مراد لیا ہے یا خاص لیکن خاص کے لئے کلام میں کوئی دلیل و قرینہ نہ ہو تو وہاں اصالۃ العموم کو جاری کریں۔

سوال: ۴۸۔ قاعدۃ اصالۃ الاطلاق کہاں کہاں جاری ہوتا ہے، مثال کے ساتھ بیان کریں؟

جواب: ۴۸۔ متکلم نے لفظ مطلق کو استعمال کیا ہو لیکن اس میں احتمال و شک ہو کہ ممکن ہے متکلم نے یہاں کوئی قید یا تخصیص ذکر کی ہو لیکن وہ ظاہری طور پر کلام میں موجود نہ ہو تو وہاں پر قاعدۃ اصالۃ الاطلاق جاری کریں گے اگر قید مراد متکلم ہوتی تو متکلم کلام میں بیان کرتا مثلاً (احل اللہ البیع) لفظ (البیع) جملے میں مطلق ہے لیکن اگر ہم یہ شک کرتے ہیں کہ جو غیر عربی زبان میں عقد بیع ہوا ہے کیا وہ صحیح ہے یا باطل ہے یہاں ہم اصالۃ الاطلاق سے تمسک کریں گے اور کہیں گے کہ اگر عقد میں عربی زبان کی شرط ہوتی تو شارع مقدس بیان فرماتے پس قاعدۃ اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ غیر عربی عقد بھی صحیح ہے۔

سوال: ۴۹۔ قاعدۃ اصالۃ عدم التقدیر کہاں جاری ہوتا ہے؟

جواب: ۴۹۔ مثلاً متکلم نے لفظ کو ذکر کیا ہو اور اس لفظ میں یہ احتمال دیا جا رہا ہو کہ اس کے ہمراہ کوئی کلمہ تقدیر میں

متکلم نے رکھا ہو لیکن اگر اس کے مقدر ہونے پر کوئی دلیل یا قرینہ موجود نہ ہو پس یہاں قاعدۃ عدم التقدیر جاری کرتے ہوئے کہیں گے کہ اصل عدم التقدیر ہے۔

سوال: ۵۰۔ وہ کون سے دو قاعدے ہیں جو اصالۃ عدم التقدیر کے ساتھ مرتبط ہیں اور وہ کہاں کہاں جاری ہوتے ہیں؟

جواب: ۵۰۔ وہ قاعدے اصالۃ عدم النقل اور اصالۃ عدم الاشتراک ہیں جو اصالۃ عدم التقدیر سے ملحق ہیں۔
کیونکہ جب ہم احتمال دیں کہ لفظ کسی اور معنی میں جو موضوع لہ کے علاوہ ہے اس میں نقل ہو چکا ہے تو دلیل نہ ہونے کی صورت میں اصالۃ عدم النقل کو جاری کریں گے اسی طرح اصل عدم الاشتراک بھی وہاں جاری ہوگا جب ہم شک کریں کہ یہ لفظ جس کو متکلم نے استعمال کیا ہے اس کے دو معنی ہوں اور آپس میں مشترک ہوں لیکن کسی ایک خاص معنی کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل اور قرینہ نہ ہو تو ہم اصالۃ الاشتراک کو جاری کریں گے۔

سوال: ۵۱۔ قاعدۂ اصالۃ عدم الاشتراک کو مثال کے ساتھ بیان کریں؟

جواب: ۵۱۔ اگر کسی لفظ کے بارے میں شک ہو جائے کہ ممکن ہے کسی دوسرے معنی کے لئے بھی وضع ہو گیا ہو مثلاً ہمیں یقین ہے کہ لفظ امیر المؤمنین مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کے لئے وضع ہوا ہے لیکن اگر ہم شک کریں کہ کسی اور کو بھی امیر المؤمنین کہتے ہیں اور وہ بھی اس معنی میں شریک ہے اور کلام متکلم میں بھی کوئی دلیل یا قرینہ موجود نہیں ہے جو اس اشتراک پر دلالت کرے تو اس صورت میں قاعدۂ اصالۃ عدم الاشتراک کو جاری کریں گے۔

سوال: ۵۲۔ قاعدۂ اصالۃ عدم النقل کی مثال بیان کریں؟

جواب: ۵۲۔ اگر کوئی لفظ ایک معنی کے لئے وضع ہوا ہو لیکن سامع شک کرے کہ اس معنی سے دوسرے معنی میں نقل ہو گیا ہے یا نہیں مثلاً اہلبیتؑ کا لفظ اصحاب الکساء کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اگر ہم اس لفظ اہلبیتؑ میں شک کریں کہ یہ کسی اور معنی میں بھی نقل ہوا ہے یا نہیں اس پر ہمارے پاس کوئی دلیل یا قرینہ نہیں ہے تو یہاں پر قاعدۂ اصالۃ عدم النقل کو جاری کریں گے۔

سوال: ۵۳۔ قاعدۃ اصالۃ الظہور کہاں جاری ہوتا ہے؟

جواب: ۵۳۔ اگر لفظ ایک معنی میں ظہور رکھتا ہے لیکن صراحتاً وہ معنی مراد نہ ہو (یعنی علم کا دریا) مثلاً لفظ (دریا) کا ظہور پانی کے دریا میں ہے لیکن اگر ہم شک کریں کہ ممکن ہے لفظ دریا سے مراد شخص دانشمند ہو تو شک کی صورت میں

یہاں قاعدۃ اصالۃ الظہور کو جاری کریں گے اوراس شک کی پرواہ نہیں کریں گے اور کہیں گے یہاں (دریا) سے مراد پانی کا دریا ہے مگر یہ کہ اس ظہور کے خلاف قرینہ ہو جیسے کہا جائے کہ وہ علم کا دریا ہے۔

سوال:۵۴۔ مرحوم مظفرؒ اصالۃ الظہور کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

جواب:۵۴۔ مرحوم فرماتے ہیں یہ پانچ اصول (اصول لفظیہ) یعنی اصالۃ الحقیقۃ، اصالۃ العموم، اصالۃ الاطلاق، اصالۃ عدم اشتراک، اور اصالۃ النقل ان سب کی برگشت اصالۃ الظہور کی طرف ہے یعنی اصل لفظی اور عقلائی صرف ایک ہی اصل ہے باقی تمام اصول اسی اصل کی طرف لوٹتے ہیں۔

سوال:۵۵۔ اصول لفظیہ کے اعتبار اور حجیت پر کیا دلیل ہے؟

جواب:۵۵۔ اگر چہ اس کی اصل بحث مباحث حجت میں ہے لیکن موقعہ کی مناسبت سے اختصار اًعرض کرتے ہیں کہ اصول لفظیہ کا اعتبار عقلاء کی سیرت عملی ہے کیونکہ عقلاء اپنی گفتگو میں ظاہر کلام کو مراد متکلم سمجھتے ہیں اس کے خلاف کوئی بھی احتمال ہو مثلاً غفلت، مزاح، اہمال واجمال کی پرواہ نہیں کرتے اور اسی طرح احتمال اشتراک اور نقل کو لغو سمجھتے ہیں یہ دلیل عقلی ہے اور اس کے خلاف شارع مقدس کا کوئی حکم صادر نہ فرمانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سیرت پر شارع راضی تھا ورنہ منع فرماتا۔

سوال:۵۶۔ ترادف اور اشتراک کی تعریف کریں؟

جواب:۵۶۔ ترادف ایسے متعدد الفاظوں کو کہتے ہیں جو ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً، الانسان، البشر دونوں حیوان ناطق پر دلالت کرتے ہیں۔

الاشتراک لفظی،، ایک ایسا لفظ ہے جو متعدد معنی پر دلالت کرے مثلاً، لفظ عین جو چشم، چشمہ، کفہ ترازو اور جاسوس، وغیرہ پر دلالت کرتا ہے۔

سوال:۵۷۔ اشتراک لفظی اور ترادف کیسے وجود میں آتے ہیں اس بارے میں مرحوم مصنفؒ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب:۵۷۔ یہ تو مسلّم بات ہے کہ دوسری زبانوں کی طرح لغت عرب میں بھی ترادف واشتراک پایا جاتا ہے جیسے لفظ عین، بیع، یہ الفاظ مشترک لفظی ہیں لیکن بحث اس بات میں ہے کہ واضع لغت اس ترادف واشتراک کو وجود میں لاتا ہے یا عرف عام اس کا موجب بنتا ہے، ہماری تحقیق کے مطابق مختلف قبائل کا مختلف معانی اور دولفظوں کو ایک معنی میں استعمال کرنے کی وجہ سے یہ ترادف واشتراک وجود میں آتا ہے مصنف اسی قول دوم کی تائید فرماتے ہیں۔

سوال: ۵۸۔ لفظ واحد کا استعمال متعدد معانی میں کیا حکم رکھتا ہے مرحوم مظفرؒ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۵۸۔ کیا لفظ مشترک کو ایک معنی سے زیادہ میں بغیر قرینہ کے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر ایک ہی لفظ سے جدا جدا معنی مراد لیا جائے اور پھر ایک معنی پر وہ لفظ علیحدہ علیحدہ مستقل طور پر استعمال ہو اس میں شک نہیں کہ یہ جائز نہیں ہے لیکن اگر قرینہ کے ساتھ ہر ایک معنی میں جداگانہ استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔

مرحوم مظفرؒ فرماتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے کہ بغیر قرینہ کے ایک لفظ تمام معانی میں مشترک طور پر استعمال کیا جائے خواہ تثنیہ میں ہو یا جمع میں خواہ مثبت جملہ ہو یا منفی میں خواہ معانی حقیقی میں ہو یا مجازی میں کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، یعنی لفظ عینان سے چشمہ اور چشم دو مختلف معانی مراد لینا بغیر قرینہ کے جائز نہیں کیونکہ تثنیہ اور جمع واحد کا تکرار ہوتے ہیں۔

سوال: ۵۹۔ کیا لفظ واحد کا متعدد معانی میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کیوں! دلیل سے واضح کریں؟

جواب: ۵۹۔ کیونکہ کسی لفظ کا کسی بھی معنی میں استعمال کرنا ایجاد معنی کہلاتا ہے تو یہ ایجاد معنی بطور واقعی و حقیقی نہیں ہوتا بلکہ بطور جعلی و تنزیلی ہوتا ہے یعنی لفظ کے بولنے والے نے اس لفظ سے اس معنی کا ارادہ کیا ہے اسی وجہ سے یہ لفظ اسی معنی میں فناء ہو جائے گا جب فناء ہو جائے گا تو دوسرے معنی مراد لینے کے لئے دلیل و قرینہ کی ضرورت ہے پس اگر قرینہ نہ ہو تو دوسرے میں مشترک طور پر استعمال کرنا بغیر دلیل و قرینہ کے جائز نہیں ہے۔

سوال: ۶۰۔ حقیقت شرعیہ میں کیا اختلاف ہے اس کو بیان کریں؟

جواب: ۶۰۔ 'حقیقت شرعیہ' اس میں شک نہیں کہ ہم مسلمان لوگ الفاظ صلاۃ، صوم و حج کو اس کے معنی لغوی میں استعمال نہیں کرتے بلکہ معانی جدیدہ شرعی میں استعمال کرتے ہیں لیکن گفتگو اس امر میں ہے کہ یہ معانی جدیدہ خود رسالت مآبؐ کے زمانے میں حقیقت ہو گئے تھے تو پھر ان معانی کو حقیقت شرعیہ کہا جائے گا اگر ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں ان معانی جدیدہ میں حقیقت بن گئے تھے تب ان معانی کو حقیقت متشرعہ کہیں گے۔

اس بحث میں اختلاف یہ ہے کہ الفاظ عبادات خصوصاً صلاۃ، صوم، حج، زکاۃ وغیرہ کیا یہ الفاظ اپنے لغوی معنی سے معانی شرعیہ میں حقیقت ہو گئے ہیں اور پھر یہ حقیقت خود شارع مقدس رسول اللہؐ کے زمانے میں ہو گئی تھی تا کہ یہ الفاظ حقیقت شرعیہ کہلائیں یا یہ کہ شارع کے زمانے میں قرائن کے ساتھ مجازاً استعمال ہوتے تھے، لیکن پھر ائمہ کے زمانے میں ان معانی میں کثرت استعمال سے حقیقت بن گئے تھے تو اس صورت میں یہ الفاظ حقیقت متشرعہ کہلائیں گے۔

سوال:۶۱۔ان الفاظ عبادات کا لغوی معانی سے شرعی معانی میں نقل ہونا' کتنے طریقوں سے ہے؟

جواب:۶۱۔ان الفاظ عبادات کا لغوی معنی سے شرعی معانی میں منتقل ہونا دو طریقوں سے ممکن ہے۔(۱)وضع تعیینی (۲)وضع تعیّنی

وضع تعیینی : یہ ہے کہ خود شارع مقدس فرمائے۔"جعلت هذا اللفظ لهذا المعنى" یعنی صریحاً فرمائے کہ لفظ صلاۃ کو اس کے لغوی معنی سے نقل کر کے اس کے شرعی معنی میں وضع کیا ہے اور اسی میں حقیقت قرار دیا ہے۔

وضع تعیّنی: پیغمبر اسلامؐ ان الفاظ عبادات کو قرینہ کے ساتھ مجازی طور پر شرعی معانی میں استعمال کرتے رہے ہوں پھر کثرت استعمال سے خود بخود وہ معانی شرعیہ میں منتقل ہو گئے ہوں یہاں تک کہ جب بھی ان الفاظ کو بغیر قرینہ کے بولا جاتا تو یہی معانی اس سے تبادر ہوتے تھے۔

﴿حقیقت شرعیہ﴾

سوال:۶۲۔حقیقت شرعیہ میں اختلاف کرنے کا فائدہ کہاں ظاہر ہوتا ہے؟

جواب:۶۲۔حقیقت شرعیہ کا فائدہ فقط ایک مقام پر ظاہر ہوتا ہے جب شارع مقدس کی زبان پر وہ الفاظ عبادات آئیں یا قرآن کریم میں وہ الفاظ عبادات ذکر ہوں تو اگر ہمارے نزدیک حقیقت شرعیہ ثابت ہوگی تو ان الفاظ عبادات کو بغیر قرینہ کے معانی جدیدہ شرعیہ پر حمل کریں گے اور اگر حقیقت شرعیہ ثابت نہ ہو تو ان الفاظ عبادات کو معانی لغوی پر حمل کریں گے یا حداقل احکام شرعیہ کے استنباط میں ان الفاظ عبادات کے موارد میں توقف کریں گے اور خاموشی اختیار کریں گے اور اگر ہم حقیقت شرعیہ کے قائل ہوئے تو ان الفاظ عبادات کو معانی شرعیہ پر حمل کریں گے اگر حقیقت شرعیہ کے قائل نہ ہوئے یعنی حقیقت متشرعہ کے قائل ہوئے تو ان الفاظ عبادات کو معانی لغویہ پر حمل کریں گے۔

لیکن قرآن کریم میں جو الفاظ عبادات ذکر ہوئے ہیں ان میں شک نہیں ہے کہ وہ معانی جدیدہ شرعیہ میں استعمال ہوئے ہیں کیونکہ ان الفاظ کے ہمراہ قرآن کریم میں قرائن معینہ ذکر ہوئے ہیں اگر بعض علماء قائل ہیں کہ کچھ الفاظ عبادات مثل صلاۃ،صوم،حج،زکاۃ وغیرہ کے رسول اللہؐ کے زمانے میں کثرت استعمال کی وجہ سے وضع تعینی پیدا کر چکے تھے پہلے تو یہ الفاظ عبادات قرینہ کے ساتھ استعمال ہی ہوئے بعد میں کثرت استعمال سے ان معانی شرعیہ میں حقیقت ہو گئے۔

(واللہ العالم)

سوال:۶۳۔ مرحوم مصنفؒ کا حقیقت شرعیہ کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب:۶۳۔ مرحوم فرماتے ہیں ان الفاظ کا معانی جدیدہ یعنی معانی شرعیہ میں نقل ہونا دو طریقوں سے ممکن ہے (الف) وضع تعیینی (ب) وضع تعیّنی''، وضع تعیینی کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اگر وضع تعیینی ہوتی تو تاریخ میں خبر تواتر یا خبر واحد کے ذریعے ہم تک نقل ہوتی اگر بالفرض وضع بھی تھی تو اس کو پوشیدہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ برعکس جو بھی الفاظ رسالت مآبؐ کی زبان سے صادر ہوتے تھے مسلمان ان الفاظ کو معلوم کرنے کے لئے حریص تھے اور اس کے طلب گار تھے پس معلوم ہوا کہ ان الفاظ کو معانی جدیدہ میں وضع تعیینی کے طور پر نقل نہیں کیا گیا اگر نقل کیا گیا ہوتا تو ہمارے پاس ان معانی کے ذکر ہونے پر کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی جو کہ نہیں ہے۔

(ب) وضع تعیّنی: وضع تعیّنی یہ ہے کہ پہلے وہ لفظ مجازی طور پر اس معنی میں استعمال ہوا ہو یعنی لفظ پر استعمال میں قرینہ ذکر ہوا ہو پھر آہستہ آہستہ کثرت استعمال سے اسی معنی میں حقیقت بن گیا ہو اس بارے میں ہم ادعا کر سکتے ہیں کہ رسالت مآبؐ کے زمانے میں قرائن کے ساتھ معانی جدیدہ شرعیہ میں استعمال ہوتے تھے پھر امیر المؤمنینؑ کے زمانے میں ان معانی میں حقیقت بن گئے تھے کیونکہ رسول اللہؐ کی ۲۳ سال کی تبلیغی زندگی میں یہ الفاظ ان معانی جدیدہ شرعیہ میں استعمال ہوتے رہے پھر ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں ان معانی جدیدہ میں حقیقت ہو گئے ابھی اسی معانی شرعیہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

صحیح واعم کی بحث

سوال:۶۴۔ صحیح واعم کی بحث میں نزاع کیا ہے؟

جواب:۶۴۔ اصل میں صحیح اور اعم کی بحث حقیقت شرعیہ کے ملحقات میں سے ہے۔

علماء اصول کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ الفاظ عبادات یا معاملات جو معانی جدیدہ شرعیہ میں استعمال ہوئے ہیں کیا یہ معانی صحیح میں استعمال ہوئے ہیں یا اعم از صحیح وفاسد میں استعمال ہوئے ہیں یعنی لفظ صلاۃ جو قرآن و سنت میں ذکر ہوا ہے اس لفظ سے صحیح نماز مراد لی گئی ہے یا اعم از صحیح وفاسد مراد لی گئی ہے۔

سوال:۶۵۔ مرحوم مظفرؒ اس بحث صحیح واعم میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

جواب:۶۵۔ مرحوم مصنفؒ نے اس بحث کو واضح کرنے لئے تین مقدمات ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) یہ بات مسلّم ہے کہ ابھی یہ الفاظ عبادات و معاملات معانی حقیقی میں استعمال ہوتے ہیں اسی وجہ سے خواہ جو

شخص بھی حقیقت شرعیہ کا قائل ہو یا حقیقت متشرعیہ کا قائل ہو دونوں صورتوں میں وہ صحیح واعم کی بحث میں شریک ہو سکتا ہے۔

مرحوم مظفرؒ قائل ہیں کہ یہ الفاظ عبادات و معاملات اعم کے لئے وضع ہوئے ہیں اور اس پر دو دلیلیں دلالت کرتی ہیں ا۔ تبادر ۲۔ صحت سلب کیونکہ جب بھی لفظ صلاۃ بولا جاتا ہے تو دونوں معنی (صلاۃ صحیح اور صلاۃ فاسد) لئے جاتے ہیں اور ان دونوں معنی کو اس (لفظ صلاۃ) سے سلب نہیں کر سکتے اور یہ دو دلیلیں علامات حقیقت میں سے ہیں پس نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ عبادات اور معاملات اعم از صحیح اور فاسد کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

سوال: ٦٦۔ صحیح اور فاسد یا اعم از صحیح و فاسد کا اصولین کے نزدیک کیا معنی ہیں؟

جواب: ٦٦۔ مرحوم مصنفؒ نے اس بحث کو مقدمہ دوم کے طور پر ذکر فرمایا ہے، صحیح وہ ہے جو تام الاجزاء و شرائط ہو اور فاسد وہ ہے جو تام الاجزاء و شرائط نہ ہو اور اعمّ وہ ہے جو ان دونوں کو شامل ہو اس صورت میں یہاں پر صحیحی اور اعمی کی بحث یوں ہوگی کہ یہ الفاظ عبادات اور معاملات تام الاجزاء و شرائط معانی کے لئے وضع ہوئے ہیں یا نہیں؟

سوال: ٦٧۔ صحیح واعم میں نزاع کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: ٦٧۔ وہ لوگ جو اعم کے قائل ہیں یعنی یہ اسماء عبادات و معاملات دونوں کے لئے (صحیح و فاسد) وضع ہوئے ہیں جب ان کو شک ہو کہ یہاں لفظ صلاۃ سے صحیح معنی مراد لیا گیا ہے یا فاسد تو وضع اعم کا نظریہ رکھنے والے قاعدۃ اصالۃ الاطلاق کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں اگر اس نماز میں کچھ اجزاء نہیں ہیں تب بھی اس کو نماز کہا جا سکتا ہے لیکن جو وضع صحیحی کا نظریہ رکھتے ہیں یعنی اگر نماز کے بعض اجزاء کو انجام نہ دیا جائے تو شک ہوگا کہ یہ نماز ہے یا نہیں تو شک کی صورت میں وضع صحیحی کا نظریہ رکھنے والے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ نماز ہے کیونکہ تام الاجزاء نہیں ہے اسی وجہ سے قاعدۃ اصالۃ الاطلاق کی طرف رجوع نہیں کر سکتے بلکہ صحیحی کا نظریہ رکھنے والے اس صورت میں اصول عملیہ کی طرف رجوع کریں گے مثل قاعدۃ اصالۃ الاحتیاط یا برائت کی طرف رجوع کریں گے۔

سوال: ٦٨۔ نظریہ اعمی پر کیا اشکال وارد ہوتا ہے اس کا کیا جواب دیا گیا ہے؟

جواب: ٦٨۔ کیونکہ اعمی کے نزدیک حتی نماز کے ایک جزء کو بھی کوئی شخص بجالائے تو اس کو نماز کہیں گے کیونکہ نظریہ اعمی رکھنے والوں کے نزدیک نماز فاسد بھی نماز ہے اب وہ نماز جس میں تمام اجزاء ہوں اور جس میں ان اجزاء کے افراد متعدد ہوں تو ضروری ہے کہ ان افراد کے درمیان قدر جامع ہونا چاہئے جو تمام افراد صلاۃ پر صدق کرے کیونکہ ہر شئی کی ماہیت ایک ہوتی ہے، ماہیت میں تعدد و تبدل معقول نہیں ہے۔

مذکورہ اشکال کا جواب: ان افراد میں قدر جامع کے اشکال کا جواب کچھ یوں دیا جاتا ہے کہ (کلمہ) کا لفظ تمام اجزاء پر صادق آتا ہے خواہ وہ کلمہ دوحرفی ہو یا اس سے زیادہ ہو اور علاوہ اس کے (۲۸) حروف تہجی ہیں ان میں کوئی دوحروف آپس میں مرکب ہو جائیں تو ان کو کلمہ کہا جاتا ہے اب صلاۃ کا لفظ بھی اسی طرح ہے خواہ ماہیت صلاۃ میں تمام الاجزاء ہوں یا بعض الاجزاء ہوں اس کو صلاۃ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اجزاء وشرائط میں تبدل وتکثر قدر جامع کے وجود ماہیت کے لئے مانع نہیں ہوتا لیکن مرحوم مصنفؒ اس بات کے قائل ہیں کہ صحیحی کے نزدیک قدر جامع ممکن نہیں ہے لیکن اعمی کے نزدیک ممکن ہے۔

سوال:۶۹۔ جب الفاظ معاملات کے عقود بیع ونکاح وطلاق کے لئے اسباب بن جائیں تو کیا نظریہ صحیحی واعمی کی نزاع اس میں بھی جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۶۹۔ مرحوم مصنفؒ صحیح واعم کی تنبیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ الفاظ معاملات عقد کے لئے اسباب بنیں تو صحیحی واعمی کی نزاع اس میں جاری ہوسکتی ہے کیونکہ جب ہم ان الفاظ معاملات کو مثلاً ملکیت و زوجیت کے صیغوں کو مالک بننے اور زوجین ہونے کا سبب فرض کریں تو عقد بیع اور عقد نکاح مثل دوسرے ایقاعات کی طرح انشاء ایقاع کریں گے تو ہماری صحیحی واعمی کی نزاع اس طرح مطرح ہوسکتی ہے کہ یہ الفاظ بیع ونکاح وغیرہ عقد صحیح اور تام الاجزاء وشرائط کے لئے وضع ہوئے ہیں یا اعم از صحیح وفاسد کے لئے وضع ہوئے ہیں اگر صحیح کے لئے وضع ہوئے ہیں تو یہ الفاظ ملکیت و زوجیت کے تحقق کا سبب بنیں گے اگر اعم کے لئے وضع ہوئے ہیں تو عقد کا تام الاجزاء وشرائط ہونا ضروری نہیں ہے اور ناقص الاجزاء و شرائط کو بھی عقد کہنا صحیح ہوگا۔

سوال:۷۰۔ کیا صحیحی واعمی کی نزاع الفاظ معاملات بمعنی مسببات میں جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۷۰۔ الفاظ ومعاملات کا بمعنی مسببات ہونے کی صورت میں مذکورہ صحیحی واعمی کی بحث اس میں جاری نہیں ہوسکتی کیونکہ ملکیت و زوجیت یا (طلاق) اور حریت (عتق) میں مفاہیم بسیط ہیں یعنی مرکب نہیں ہیں تو اس صورت میں یہ اجزاء وشرائط نہیں رکھتے کہ ان کو تام الاجزاء یا غیر تام الاجزاء کہا جائے بلکہ ان میں بات یوں ہے کہ یہ عقد ہے یا عقد نہیں ہے تب تو صحیح وفاسد کا معنی ہی اس میں جاری نہیں ہوسکتا۔

سوال:۷۱۔ الفاظ معاملات میں صحیحی واعمی کی بحث کا فی الجملہ کیا ثمرہ ہے؟

جواب:۷۱۔ اگرچہ عبادات میں صحیحی واعمی کی بحث ممکن تھی کہ اعمی قاعدۃ اصالۃ الاطلاق سے تمسک کرسکتا تھا

بخلاف اعمی کے کہ وہ تمسک نہیں کرسکتا لیکن معاملات میں یہ ثمرہ نہیں ہے کیونکہ الفاظ معاملات وہی معانی عرفی ہیں جو رسالت مآبؐ سے پہلے استعمال ہوتے تھے اور معانی جدیدہ شرعی اس میں نہیں آئے تاکہ اس میں بحث کی جائے کہ الفاظ معاملات عقد صحیح کے لئے وضع ہوئے یا صحیح وفاسد دونوں کے لئے وضع ہوئے ہیں اور جب ہمیں شک ہوجائے کہ عقد صحیح ہے یا نہیں تو شک کی صورت میں ہم عرف کی طرف رجوع کریں گے یعنی عام لوگوں سے سوال کریں گے کہ یہ عقد صحیح ہے یا نہیں جو کچھ وہ کہیں گے اس پر عمل کریں گے کیونکہ شارع بھی ان الفاظ معاملات کے معانی میں اگر شک کرے تو عرف کی طرف رجوع کرے گا کیونکہ وہ بھی عرف کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔

ہاں! اگر ہم یہ شک کریں کہ عقد نکاح وغیرہ میں فلان شئی معتبر ہے یا نہیں تو اعمی و صحیحی دونوں میں قاعدۃ اصالۃ الاطلاق کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ صحیحی کا نظریہ رکھنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ الفاظ معاملات کو عرف میں معانی صحیحی کے لئے وضع کیا گیا ہے ہاں اگر صحیحی کا نظریہ رکھنے والے عقد کی جزئیت وشرطیت میں شک کریں یعنی یہ کہیں اگر عقد میں جزء یا شرط کم ہوجائے تو اس کو عقد کہا جاتا ہے یا نہیں تو اس صورت میں وہ قاعدۃ اصالۃ الاطلاق سے تمسک نہیں کرسکتے جس طرح ہم الفاظ عبادات میں بیان کرچکے ہیں کہ جزئیت وشرطیت کی بحث عقد بیع ونکاح وغیرہ کے عنوان سے ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحیحی واعمی کی نزاع کا الفاظ معاملات میں بہت کم ثمرہ ہے۔

☆☆☆☆☆

المقصد الاول۔ مباحث الالفاظ

تمہید مباحث الالفاظ

(الباب الاول — المشتق)

۱ — ماالمراد من المشتق

۲ — جریان النزاع فی اسم زمان

۳ — اختلاف المشتقات من جہت المبادی

۴ — استعمال المشتق بلحاظ حال التلبس

مباحث الفاظ (باب اوّل مشتق)

سوال:۲۔۷۔ بابِ مشتق میں علماء کا کیا اختلاف ہے؟

جواب:۲۔۷۔ علماء اصولین اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ مشتق۔ (ما اتلبس به المبداء فی الحال) کے لئے وضع ہوا ہے یا (ما اتلبس به المبداء فی ما انقضی) کو بھی شامل ہے یا نہیں؟

یعنی جو پہلے کسی کام کو انجام دے چکا ہے یا کسی صفت سے ملتبس ہوا ہے۔ مثلاً (قائم و ضاربٌ) جو شخص زمانہ ماضی میں قائم یا ضارب تھا تو کیا اس شخص کو زمانہ حال میں وہی زمانہ ماضی کی نسبت دی جاسکتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ قائم اور ضارب ہے بلکہ ضارب کہے لیکن اس سے مراد (ضاربٌ أمس) ہو تو کیا ابھی اس شخص کو اس صفت سے یاد کریں تو یہ لفظ مشتق کا استعمال زمانہ حال میں حقیقت ہے یا مجاز ہے مرحوم مظفرؒ فرماتے ہیں یہ تو مسلّم بات ہے کہ مشتق بالحال میں حقیقت ہے یعنی ابھی جو قائم ہے یا ضاربٌ ہے اس کو قائمٌ اور ضاربٌ کہنا حقیقت ہے لیکن جو پہلے اس کام کو انجام دے چکا ہے ابھی اس کو قائمٌ یا ضاربٌ کہیں اور زمانہ کے مراد لینے پر کوئی دلیل وقرینہ نہ ہو مثلاً (ضاربٌ أمس) نہ کہیں بلکہ ضارب کہے لیکن اس سے مراد (ضاربٌ امس) ہو تو یہ مجاز ہوگا ہاں اگر (ضارب ألان، ضارب أمس، ضارب غداً) کہے اور ہر ایک کے ساتھ قرینہ کو ذکر کرے تو لفظ مشتق کا استعمال اپنے معنی میں حقیقت ہوگا کیونکہ قرینہ ان کے ہمراہ ہے اور کیونکہ وہ الفاظ اپنے ماوضع لہ میں استعمال ہوئے ہیں۔

سوال:۳۔۷۔ علماء اصول کی گفتگو میں کونسا مشتق مورد بحث واقع ہوا ہے؟

جواب:۳۔۷۔ مشتق کی دو اصطلاح ہیں، نحوی اور اصولی، مشتق نحوی وہ مشتق ہے جو کسی سے نکلا ہو جیسے مصادر اور اسماء اعلام وغیرہ ہیں لیکن مشتق اصولی وہ مشتق ہے کہ جو کسی صفت کو ذات پر حمل کرے خواہ وہ مشتق، مشتق نحوی ہو یا نہ ہو حتی جامد کو بھی مشتق اصولی کہتے ہیں مثلاً، زوج، اُخ، رق، کیونکہ ان میں صفات کو ذات پر حمل کیا جاتا ہے یہ بھی مشتق اصولی کی بحث میں مورد گفتگو ہیں۔

سوال:۴۔۷۔ علماء اصول کے نزدیک مشتق کی کیا تعریف ہے؟

جواب:۴۔۷۔ اصولین کے نزدیک مشتق وہ ذات ہے کہ اس پر خارج سے صفت حمل ہو اور اس سے وہ جدا ہو خواہ وہ علماء نحو کے نزدیک جامد ہی کیوں نہ کہلائے، جیسے گذشتہ سوال میں اس کا بیان گذر چکا ہے مثلاً زوج، اُخ، رق وغیرہ

سوال:۵۔۷۔ مشتق اصولی اور نحوی میں نسب اربعہ میں سے کون سی نسبت پائی جاتی ہے؟

جواب:۷۵۔ان کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے ایک مادہ میں اجتماع ہے اور دو مادوں میں افتراق ہے مثلاً مادہ اجتماع اسم فاعل، اسم مفعول، صیغہ مبالغہ ہیں یہ مشتق اصولی بھی ہیں اور نحوی بھی ہیں مشتق اصولی ونحوی میں دو مادے افتراق کے ہیں (۱) فعل اور مصدر یہ مشتق نحوی ہیں لیکن اصولی نہیں ہیں کیونکہ ان پر ذات وصفت کو حمل نہیں کیا جا سکتا یہ حقیقت میں نہیں کہا جا سکتا کہ (زیدٌ ضربٌ) (۲) الفاظ جامد مثلاً زوج، اُخ، رق، یہ مشتق اصولی ہیں لیکن نحوی نہیں یعنی ان کا کسی سے اشتقاق نہیں ہوا کیونکہ مشتق نحوی وہ مشتق ہے جو کسی سے نکلا ہو۔

سوال:۷۶۔مادہ اجتماع اور مادہ افتراق اور مشتق نحوی واصولی کی وضاحت کریں؟

جواب:۷۶۔مادہ اجتماع: جس میں مشتق اصولی اور نحوی دونوں جمع ہو جاتے ہیں مثلاً اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، صیغہ مبالغہ وغیرہ

مادہ افتراق: وہ الفاظ جو فقط مشتق نحوی ہیں اور مشتق اصولی نہیں ہیں مثلاً افعال، مصادر کیونکہ مشتق اصولی کی شرط ہے کہ ذات پر جاری ہوں یہ ذات پر جاری نہیں ہوتے ہیں یعنی (زیدٌ ضربٌ) کہنا صحیح نہیں ہے،

مادہ افتراق: وہ الفاظ جو فقط مشتق اصولی ہیں مشتق نحوی نہیں ہیں:۔مثلاً زوج، اُخ، رق، حریۃ، کیونکہ کسی سے اشتقاق نہیں ہوئے ہیں اس وجہ سے یہ مشتق نحوی نہیں ہیں بلکہ یہ ذات پر جاری ہوتے ہیں کیونکہ ذات سے وصف جدا ہو سکتا ہے اس وجہ سے ان کو مشتق اصولی کہتے ہیں۔

سوال:۷۷۔مشتق اصولی ہونے کی کتنی شرطیں ہیں؟

جواب:۷۷۔دو شرطیں ہیں:۱۔مشتق اصولی ایسا مشتق ہے جو ذات پر جاری ہو اور ذات کے لئے عنوان بنے اور اس سے حکایت کرے مثلاً اسم فاعل، اسم مفعول، اسماء مکان واسماء آلۃ جس طرح ضاربٌ کا لفظ جو مشتق ہے یہ بتاتا ہے کہ ایک ذات ہے کہ جس سے یہ وصف صادر ہوا ہے اور یہی وصف اس ذات پر جاری ہوتا ہے اور اس کے لیے عنوان بھی ہے اور اس سے حکایت بھی کرتا ہے،

۲۔وصف ایسا ہونا چاہئے جو ذات پر اس طرح سے جاری ہو کہ اگر وصف چلا بھی جائے تو ذات باقی رہے مثلاً (زیدٌ ضاربٌ) اگر زید سے ضارب کی صفت کو ہٹا دیں تو زید کی ذات باقی ہے۔

سوال:۷۸۔مشتق کی نزاع اسم زمان میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۷۸۔بعض علماء قائل ہیں کہ مشتق کی گفتگو اسم زمان میں نہیں ہو سکتی کیونکہ مشتق اصولی کی جو دوسری شرط

تھی کہ وصف کے جانے بعد ذات باقی رہے اس میں موجود نہیں ہے کیونکہ اسم زمان (متصرم الوجود) ہے یعنی معدوم وختم ہو جانے والی شئی ہے لیکن مرحوم مصنفؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر اسم زمان کا صیغہ اگر فقط اسم زمان کے لئے وضع ہوتا تو صحیح تھا لیکن ہیئت اسم زمان میں عموم پایا جاتا ہے یعنی اسم زمان ومکان دونوں کے لیے وضع ہوئی ہے لہٰذا دونوں کو شامل ہے مثلاً (مقتلٌ و مَضْرَبٌ) اسم زمان واسم مکان دونوں کو شامل ہے پس اس کی ذات باقی ہے کیونکہ موضوع لہ جو اسم مکان ہے وہ باقی ہے اور اگر چہ موضوع لہ اسم زمان چلا بھی جائے تو ایک موضوع لہ اس کی ذات کو باقی رکھنے کے لئے کافی ہے چونکہ وزن (مَفْعَلٌ) عام ہے اسم زمان ومکان دونوں کو شامل ہوتا ہے پس مشتق کی نزاع اسم زمان میں بھی جاری ہوسکتی ہے۔

سوال: ۷۹۔ الفاظ مشتق میں جو مبادی کے اعتبار سے شکوک وشبہات وجود میں آتے ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب: ۷۹۔ ان شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لئے ہمیں فعل، ملکہ اور حرفہ وصنعت کو جدا جدا معنی کرنا ہوگا بہر حال فعل: مثل ضَرَبَ، قَتَلَ، ضَارِبٌ، قَاتِلٌ، وغیرہ ہیں۔ ملکہ: مثلاً علم وقضاوت، عالم اور قاضی وغیرہ میں ہوتا ہے۔ حرفہ وصنعت: مثلاً نجاری وخیاطی، نجار وخیاط وغیرہ میں ہوتا ہے۔

بعض علماء یہ اشکال کرتے ہیں کہ قاضی اگر سویا ہوا ہو یا اسی طرح نجار وخیاط سویا۔ ہوا ہوتب بھی اس کو قاضی ،نجار، خیاط کہا جائے گا حالانکہ سونے کی حالت میں وہ صفت اس کے اندر نہیں ہے کیونکہ وہ قضاوت اور بڑھئی کا کام نہیں کر رہا ہے تو اسی وجہ سے ان سب میں مشتق کی بحث جاری نہیں ہوگی مصنفؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خواہ اگر عالم ہو یا قاضی، طبیب ہو یا نجار، یا خیاط ہو یا کوئی اور حرفہ وفن رکھنے والا جب تک حقیقت میں اس کے پاس یہ ملکہ وحرفہ حقیقتاً موجود ہے تو وہ وصف اس کے ساتھ ہے اگر کسی سبب سے یہ ملکہ اور حرفہ اس سے چلا جائے تو بحث (متلبس بالمبداء اور منتفی بالمبداء) اس میں جاری ہوسکتی ہے یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے یہ وصف رکھتا تھا کیا ابھی یہ وصف اس میں موجود ہے یا نہیں ہے۔

سوال: ۸۰۔ بحث مشتق کا خلاصہ بیان کریں؟

جواب: ۸۰ (ا) اگر مشتق کے استعمال میں زمان کی قید ہمراہ ذکر کی جائے مثلاً یہ کہا جائے (زید کان عالما یا یکون عالما یا سیکون عالما) تو تمام علماء کے نزدیک یہ بات اتفاقی ہے کہ مشتق میں اس طرح کا استعمال حقیقت رکھتا ہے کیونکہ اس مشتق کے ساتھ مبداء کے لئے قرینہ موجود ہے جو کہہ رہا ہے (کان عالماً) یعنی پہلے عالم تھا وہ بات بھی

ماانقضی عنه کی کر رہا ہے اور ملتبس بالحال سے اس کو جدا کر رہا ہے۔

(۲) اور یہ بھی اتفاقی اور مسلّم بات ہے کہ اگر ذات زمان حال میں کسی بھی صفت کے ساتھ متصف ہو اور اسی ذات کو زمان مستقبل کے ساتھ توصیف کریں تو یہ مجاز ہوگا۔

(۳) مشتق کی نزاع وہاں بھی ہو سکتی ہے جہاں ذات زمانہ ماضی میں کسی وصف کے ساتھ متصف تھی لیکن ابھی زمان حال میں اس وصف کو ذات کے ساتھ بیان کریں جیسے زید قاتل کہیں حالانکہ وہ پہلے قاتل تھا اب بھی قاتل ہے۔

سوال:۸۱۔ مشتق کے بارے میں مصنف ؒ کا کیا نظریہ ہے اور اس پر مصنف ؒ نے کیا دلیل بیان فرمائی ہے وضاحت سے بیان کریں؟

جواب:۸۱۔ مرحوم مصنف ؒ متصف بالمبداء میں مشتق کے استعمال کو حقیقت سمجھتے ہیں اور ماانقضی عنه اور مستقبل میں اس کے استعمال میں مجاز کے قائل ہیں یعنی جو شئی ابھی کسی وصف کے ساتھ متصف ہے اسی کو اس وصف سے یاد کریں مثلاً (زید ضارب ألان) اور اس نے مارا بھی ابھی ہے تو یہ متصف بالمبداء حقیقت ہے اگر ماضی میں متصف تھا اس کو ابھی متصف کر رہے ہیں یا مستقبل میں اس ذات (زید) کو (ضرب) کے ساتھ متصف کر رہے ہیں تو یہ مجاز کہلائے گا۔

مصنف ؒ کی دلیل ا۔ تبادر، ۲۔ صحت سلب ہیں یعنی (ذات مشتق کو ماانقضی عنه سے سلب کرنا صحیح ہے) مثلاً گزرے ہوئے کل میں زید نے مارا تھا ابھی یہ کہنا صحیح اور حقیقت ہے کہ (زید لیس بضارب ألان) کیونکہ ابھی تو نہیں مارا کل ہی مارا تھا۔

الباب الثانی — الاوامر

دو مبحث

(مبحث الاول — مادة الامر)

وفیه ثلاث مسائل:

۱ — معنی کلمة الامر

۲ — اعتبار العلوّ فی معنی الامر

۳ — دلالة لفظ الامر علی الوجوب

باب دوم: امر

سوال:۸۲۔امر کے باب میں کن مسائل میں گفتگو ہوتی ہے اور لفظ امر کتنے معانی میں مشترک ہے؟

جواب:۸۲۔امر کے باب میں عموماً تین مسائل سے گفتگو کی جاتی ہے (۱) کلمۂ امر کے معنی کیا ہیں (۲) معنی امر میں علو (یعنی حکم کرنے والے میں بزرگی کا ہونا) (۳) لفظ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔

مادۂ اُمر مشترک لفظی کے طور پر دو معنوں میں وضع ہوا ہے (۱) طلب (۲) شئی۔

مجموعاً امر کی بحث، مادہ اُمر، ھیئات وصیغہ اُمر اور ایک خاتمہ میں ہے کہ جو تقسیمات واجب کے بیان میں ہے اور یہ پوری بحث اسی میں خلاصہ ہوتی ہیں۔

سوال:۸۳۔طلب سے کیا مراد ہے اور طلب کا کون سے معنی کو اُمر میں مراد لیا گیا ہے؟

جواب:۸۳۔طلب کا لغوی معنی: دل کی بات کا اظہار کرنا یہ اظہار کرنا چند طریقوں پر ہے کبھی زبان کے ذریعے سے ہے کبھی اشارہ اور کبھی کتابت اور کبھی الھامات کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

خود طلب تین قسموں پر مشتمل ہے اور ہر طلب اُمر نہیں کہلاتی بلکہ اُمر ایسی طلب ہے جو کہ بڑا چھوٹے سے طلب کرے پس اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ امر عالی کا ادنیٰ سے طلب کرنا ہے۔

سوال:۸۴۔شئی کے کیا معنی ہیں اور کونسی شئی اُمر کے معنی میں ہے؟

جواب:۸۴۔لفظ شئی کا استعمال تین مقامات پر ہوتا ہے (۱) جواہر: مثلاً انسان وفرس (۲) افعال: مثلاً کتابت و اکل وشرب (۳) صفات: مثلاً علم وقدرت وشجاعت پس ہر وہ چیز جو شئی کے معنی میں ہو اس کو اُمر نہیں کہتے ہیں۔

بلکہ وہ شئی جو مقولہ افعال وصفات کے معنی میں ہو اور وہ افعال وصفات جو اسم مصدری کے معنی میں ہوں یعنی جن میں معنی حدثی ہو نہ کہ صدوری ومصدری معنی ہو اسی وجہ سے وہ لفظ اُمر جو شئی کے معنی میں ہوتا ہے وہ اُمر، یأ مر، آمر و مأ مور سے مشتق نہیں ہوتا۔

سوال:۸۵۔کس دلیل کی وجہ سے لفظ اُمر کا معنی مشترک لفظی ہے اور مشترک معنوی نہیں؟

جواب:۸۵۔مرحوم مظفرؒ لفظ اُمر کا معنی مشترک لفظی ہونے پر دو دلیلیں ذکر فرماتے ہیں۔

ا۔اگر لفظ (اُمر) کے معنی (طلب) کریں تو اس لفظ اُمر کا اشتقاق اپنے مصدر سے صحیح ہوگا یعنی اُمر یأ مر اگر لفظ (اُمر) کا معنی (شئی) کریں تو یہ اشتقاق صحیح نہیں ہوگا پس اس لفظ اُمر کے دو مختلف معنی ہونا دلیل ہے اور یہ لفظ اُمر جو کہ

مشترک لفظی ہے اور دو علیحدہ علیحدہ معنی کے لئے وضع ہوا ہے۔

۲۔ لفظ اُمر جو (طلب) کے معنی میں ہے اس کی جمع اوامر ہے اور وہ لفظ اُمر جو شئی کے معنی میں ہے اس کی جمع (اُمور) ہے پس یہ اختلاف یہ بتاتا ہے کہ لفظ (اُمر) دو مستقل معنی رکھتا ہے اور ان دو معنوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع ہوا ہے۔

سوال: ۸۶۔ طلب کی چند قسمیں ہیں وضاحت کریں؟

جواب: ۸۶۔ طلب کی تین قسمیں ہیں: (۱) عالی سے ادنیٰ شخص کا طلب کرنا (۲) شخص ادنیٰ کا عالی سے طلب کرنا (۳) انسان کو اپنے ہم پلہ سے طلب کرنا قسم اول مورد بحث ہے دوسری قسم کو اصطلاح میں (استدعا) کہتے ہیں، اور تیسری قسم کو (التماس) کہتے ہیں اور اگر ادنیٰ قسم دوم میں اور ہم پلہ قسم سوم میں اپنے آپ کو عالی فرض کر کے طلب کرے تو یہاں اس کا طلب کرنا اُمر نہیں کہلائے گا۔

سوال: ۸۷۔ اُمر کرنے میں (علو) بڑا ہونا معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: ۸۷۔ اُمر میں علو (عالی ہونا) واقعاً لازم ہے اگر خود کو وہ بڑا بنائے تا کہ اُمر کر سکے یہ اُمر کرنے میں کافی نہیں ہے، مثلاً اگر شخص فقیر کسی آدمی کو اُمر کرے اور اگر چہ وہ فقیر اظہار علو بھی کرے تو بھی اس کو اُمر نہیں کہا جا سکتا۔

سوال: ۸۸۔ اُمر میں علو (حقیقت میں بڑا ہونا) کافی ہے یا اس کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے؟

جواب: ۸۸۔ مرحوم مظفرؒ فرماتے ہیں استعلاء (اظہار علو) کرنا ضروری نہیں ہے (اگر چہ التماس کی صورت میں بھی کیوں نہ کہا جائے) مثلاً یوں کہے کہ میں آپ سے عاجزانہ التماس کرتا ہوں اس کام کو انجام دیں اور واقع میں وہ بڑا ہو تو یہ ظاہری التماس بھی امر ہوگا یعنی حقیقت میں اُمر کرنے والا عالی ہو لیکن اس کے لئے علو کا اظہار کرنا ضروری نہیں ہے۔

(تبصرہ)۔ مذکورہ تین مطالب (۱) عالی کا ادنیٰ سے طلب کرے (۲) اظہار اُمر کرنے والا علو کرے اور واقع میں وہ علو نہ رکھتا ہو تو یہ اُمر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے ((۳) علو واقعی ہونا ضروری ہے) پر دو دلیلیں ہیں ا۔ تبادر، یعنی اُمر سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ عالی ادنیٰ سے طلب کر رہا ہے اور وہ واقع میں بھی عالی ہے، ۲۔ صحت سلب،، شخص الآمر سے عالی ہونے کو سلب کرنا صحیح نہیں ہے مگر شخص الأمر سے عالی کی نسبت کو تب سلب کر سکتے ہیں جب علاقہ عنایۃ ہو تو اس صورت میں عالی واقعی کو ادنیٰ فرض کرنا مجاز ہو جائے گا۔

سوال: ۸۹۔ لفظ اُمر کی دلالت میں مرحوم مصنفؒ کا کیا نظریہ ہے اور اس میں کتنے قول ہیں؟

جواب:۸۹۔ مرحوم فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ اگر اُمر استحباب کے قرینہ سے خالی ہوتو وجوب پر دلالت کرتا ہے یعنی استحباب پر دلالت کے لئے استحباب کا قرینہ ہونا لازمی ہے لیکن بعض علماء قائل ہیں کہ اُمر کا لفظ وجوب وندب دونوں میں مشترک معنوی ہے تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ اُمر وجوب وندب میں مشترک لفظی ہے، یعنی وجوب وندب کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع ہوا ہے۔

سوال:۹۰۔ اُمر کا ظہور کہاں سے معلوم ہوتا ہے اس بارے میں مرحوم مصنفؒ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب:۹۰۔ مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں اس پر عقل دلالت کرتی ہے کہ اُمر کا ظہور وجوب میں ہے کیونکہ عقل کہتی ہے کہ اپنے آقا ومولا کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور تو اس کا عبد ہے وہ تجھ سے جو طلب کرے اور جس کا حکم دے تجھ پر واجب ہے کہ اس کو تو بجالائے اور جس کام سے تجھے روکے تمہیں رک جانا چاہئے پس لفظ امر کا ظہور جو وجوب میں ہے وہ حکم عقل کے ذریعہ سے ہے نہ وضع کے ذریعہ سے پس لفظ امر کا استعمال مستحب میں مجاز نہ ہوگا کیونکہ لفظ اُمر کی دلالت وجوب پر عقل کے ذریعہ سے ہے نہ کہ وضع کے ذریعہ سے تا کہ یہ نہ کہیں کہ فقط وجوب ہی کے لئے وضع ہوا ہے۔

سوال:۹۱۔ اوامر کی دونوں مباحث میں کن چیزوں سے گفتگو ہوگی؟

جواب:۹۱۔ گیارہ چیزوں سے گفتگو ہوگی ۱۔ صیغہ ٴ امر کے معنی کیا ہیں ۲۔ صیغہ امر کا ظہور وجوب میں ہوتا ہے ۳۔ تعبدی وتوصلی ۴۔ واجب عینی اور اطلاق ۵۔ واجب تعیینی اور اطلاق صیغہ ۶۔ واجب نفسی اور اطلاق صیغہ ۷۔ فور وتراخی ۸۔ مرہ وتکرار ۹۔ کیا نسخ کی دلالت جواز پر ہوتی ہے یا نہیں ۱۰۔ ایک حکم کے بارے میں اگر دو بار اُمر آئے تو کیا حکم رکھتا ہے ۱۱۔ کیا امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔

المبحث الثاني

١١ مسائل

١ – معنى صيغة الامر

٢ – ظهور الصيغة في الوجوب

٣ – التعبدي والتوصلي (محل الخلاف من وجوب قصد القربة) (الاطلاق والتقييد في التقسيمات الاولية للواجب) (عدم امكان الاطلاق والتقييد في التقسيمات الثانوية للواجب)

٤ – الواجب العيني واطلاق الصيغة

٥ – الواجب التعييني واطلاق الصيغة

٦ – الواجب النفسي واطلاق الصيغة

٧ – الفور والتراخي

٨ – المرة والتكرار

٩ – هل يدل نسخ الوجوب على الجواز؟

١ – الامر بشيء مرتين

١١ – دلالة الامر بالامر على الوجوب

سوال:۹۲۔صیغۂ امر کے لئے کتنے معانی ذکر کیے گئے ہیں کیا یہ معانی اس کے حقیقی معانی ہیں؟

جواب:۹۲۔ا۔بعث وتحریک وطلب:مثل۔اُقیمو االصلاۃ واوفوابالعقود۔

۲۔تہدیدوتخویف:مثل۔اعملوا ما شئتم

۳۔تعجیز:مثل۔فأتو بسورۃ من مثلہ

۴۔مسخرہ کرنا:مثل۔کونو اقردۃ خاسئین

۵۔انذار:مثل.تمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام

۶۔تمنی:مثل۔الا ایھا اللیل الطویل الا انجلی

واضح رہے کہ صیغۂ افعل صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے لیکن وہ ایک معنی ان مذکورہ بالا معانی میں سے نہیں ہے کیونکہ ہیئات مثل حروف کے ہیں کیونکہ ھیئات کو متکلم ومخاطب کے درمیان جوایک مخصوص نسبت ہوتی ہے اس کے لئے وضع کیا گیا ہے اس کونسبت طلبیہ کہتے ہیں جوان تمام ھیئات میں موجود ہوتی ہے لیکن یہ مذکورہ معانی آمر کے دل کی آواز اوراس کی باطنی تڑپ ہے نہ یہ کہ صیغۂ امر کے حقیقی معانی ہیں تا کہ ان کے حقیقی اور مجازی ہونے میں بحث کی جائے۔

سوال:۹۳۔صیغۂ امر میں کن امور میں گفتگو کی جاتی ہے؟

جواب:۹۳۔دوامور میں گفتگو ہوتی ہے۔ا۔اصل ظہورصیغہ افعل۔۲۔منشأ ظہورصیغہ افعل

سوال:۹۴۔اصل ظہورصیغۂ افعل ومافی معناھا میں کتنے قول ہیں؟

جواب:۹۴صیغہ افعل کے ظہور میں جواہم اقوال ہیں وہ دو ہیں۔

پہلاقول:صیغہ افعل وجوب میں ظہور رکھتا ہے کیونکہ یہ احتمال دیا جاتا ہے کہ صیغہ افعل کو وجوب کے لئے وضع کیا گیا ہوا گر وجوب کے لئے وضع نہ بھی ہو صیغہ افعل کے افراد کے لئے وضع ہوا ہے تو طلب کے افراد وجوب ومستحب ہیں اور ان افراد میں فرد اکمل وجوب ہے پس صیغہ افعل وجوب میں ظہور رکھتا ہے۔

دوسراقول:صیغۂ افعل مطلق طلب کے لئے ہے وجوب وندب میں مشترک ہے اسی مشترک ہونے کی وجہ سے کسی میں بھی ظہورنہیں رکھتا۔

سوال:۹۵۔صیغہ افعل کا منشاظہور میں کہاں سے ہے اور مرحوم مصنفؒ کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب:۹۵۔صیغۂ افعل کا ظہور جو وجوب میں ہے اس کا منشأ وسبب عقل ہے عقل حکم کرتی ہے کہ مولا کی اطاعت

واجب ہے لیکن صیغہ افعل کی دلالت نسبت طلبیہ پر ہے جو وجوب وندب دونوں میں پائی جاتی ہے اور احادیث میں بھی جو وجوب و مستحب ہیں وہ ایک ہی صیغہ سے ذکر ہوئے ہیں۔

مرحوم مصنفؒ کا نظریہ یہ ہے کہ افعل کا صیغہ وجوب میں ظہور رکھتا ہے اگر چہ اس بارے میں مرحوم نے دلیل کو ذکر نہیں کیا لیکن اس پر دلیل بناء عقلا اور سیرۃ عقلا ہے کیونکہ فعل امر کے ظاہر سے وجوب ہی سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ دوسرے معانی کے لئے قرائن موجود نہ ہوں اور اس کی شہادت و گواہی اس بات سے ہوتی ہے کہ عقل کہتی ہے اگر کوئی مولا کے امر کو بجا نہ لائے تو اس کو عاصی اور گنہگار کہا جاتا ہے اگر صیغہ افعل کی دلالت وجوب پر وضع کے ذریعہ سے ہوتی تو روایات میں واجب و مستحب کو ایک ہی صیغہ سے بیان نہ کیا جاتا اور اگر روایات میں ایک ہی صیغہ سے بیان ہوتا تو استعمال لفظ واحد اکثر من المعنی الواحد لازم آتا ہے جو معقول نہیں ہے کہ ایک لفظ کو کئی معانی میں بغیر قرینہ کے استعمال کیا جائے۔

سوال:۹۶۔ کسی کام سے منع کرنے کے بعد پھر اس کو انجام دینے پر امر آجائے تو اس کی دلالت کس پر ہوتی ہے؟

جواب:۹۶۔ مرحوم مصنفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر منع کرنے کے بعد امر آجائے تو اس کی دلالت ترخیص و رخصت پر ہوتی ہے یعنی پہلے والی ممنوعیت تھی یہ اُمر اس کو اٹھا لیتا ہے جیسے آیت شریفہ ہے ۔﴿واذا حللتم فاصطادوا﴾ احرام اتارنے کے بعد تم شکار کر سکتے ہو یعنی احرام میں شکار حرام اور ممنوع تھا یہ امر اس کی ممنوعیت کو اٹھا رہا ہے کہ اگر تم چاہو تو احرام اتارنے کے بعد شکار کر سکتے ہو۔

سوال:۹۷۔ کیا جملہ خبریہ بھی طلب وجوبی پر دلالت کرتی ہے؟

جواب:۹۷۔ مرحوم مصنفؒ نے تنبیہ اوّل میں اس بات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احادیث میں موجود ہے کہ جملہ خبریہ بھی طلب وجوبی پر دلالت کرتی ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب شارع کسی سائل کے جواب میں ان جملات خبریہ کو استعمال کرے مثلاً کوئی سوال کرے کہ میں غصبی جگہ پر نماز پڑھی ہے اب میرے لئے کیا حکم ہے اس کے جواب میں اگر مولا فرمائے یصلی یعنی نماز کو دوبارہ انجام دو تو یہ بھی اُمر کہلائے گا اس جملہ خبریہ اُمر ہونے پر عقل دلالت کرتی ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ جملہ خبریہ کی دلالت وجوب پر صیغہ افعل سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ گویا مکلف اپنے آقا کے حکم کو بجالایا ہے۔

سوال:۹۸۔ کسی شئی سے منع کرنے کے بعد اگر اس کے بجالانے پر حکم آجائے تو اس کا کیا معنی ہوگا اس میں کتنے

اقوال ہیں؟

جواب:۹۸۔ اگر چہ اس میں اقوال زیادہ ہیں لیکن چند کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ اکثر اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ وجوب میں ظہور رکھتا ہے۔

۲۔ مشہور امامیہ کا نظریہ ہے کہ اباحۃ میں ظہور رکھتا ہے۔

۳۔ مرحوم مصنفؒ اور مرحوم آخوندؒ کا نظریہ یہ ہے کہ جواز ارتکاب اور رفع ممنوعیت میں ظہور رکھتا ہے۔ اباحۃ، استحباب اور وجوب میں سے کسی پر دلالت نہیں کرتا۔

۴۔ بعض علماء اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ منع کرنے کے بعد حکم دینا ایسا ہے جیسے نئے سرے سے مولا حکم دے رہا ہو۔

سوال:۹۹۔ منع کرنے کے بعد امر کا ظہور ترخیص میں ہے اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب:۹۹۔ پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس کی دلیل حکم عقلی ہے یہاں بھی عقل اس بات کا حکم دیتی ہے کہ یہاں عبد کے لئے کوئی بعث (یعنی فعل کو انجام دینا) سمجھ میں نہیں آتا جیسے طبیب مریض کو پانی پینے سے منع کرنے کے بعد کہے ،اشرب الماء یعنی جس پانی سے تمہیں منع کیا گیا تھا اب تمہیں اجازت ہے کہ تم پی سکتے ہو تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تم پر واجب ہے کہ ابھی پانی پیو۔

سوال:۱۰۰۔ واجب تعبدی کی تعریف کریں؟

جواب:۱۰۰۔ واجب تعبدی: وہ واجب ہے کہ جس میں قصد قربت شرط ہو اگر بدون قصد قربت انجام دے گا تو وہ واجب ادا نہیں ہوگا اور مکلّف سے واجب ساقط نہ ہو گا پس قصد قربت شرط صحت مامور بہ ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، خمس، زکاۃ وغیرہ واجب تعبدی ہیں۔

لیکن علماء قدما اصول واجب تعبدی کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ یہ وہ واجب ہے کہ ان تکالیف کا فلسفہ اور حکمت ہمارے لئے واضح و روشن نہ ہو لیکن صرف مولا کے امر کی اطاعت کے طور پر بجالاتے ہوں مثلاً نماز مغربین میں قرائت اظہار سے اور ظہر میں اخفاء سے پڑھنا ضروری ہے۔

سوال:۱۰۱۔ (امر) کی بحث میں واجب تعبدی اور توصلی کی بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب:۱۰۱۔ جب کہ انسان وجوب امر میں شک کرے کہ عتق رقبہ یعنی غلام کے آزاد کرنے میں قصد قربت

ضروری ہے یا نہیں یعنی اگر وجوب تعبدی ہے تو قصد قربت کی ضرورت ہے اگر تعبدی نہیں ہے تو قصد قربت کی ضرورت نہیں ہے اور وہ اگر توصلی ہے تو شک کی صورت میں دلیل ظنی جو اطلاق کلام ہے اس سے استنباط کریں گے کہ اطلاق اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ کلام میں قصد قربت کی قید نہیں ہے پس یہ واجب توصلی ہوگا اگر دلیل ظنی وہاں نہ ہو اور کلام سے اطلاق بھی سمجھ میں آئے تو اصل عملی یعنی اصالۃ الا شتغال سے استفادہ کریں گے یعنی پہلے تکلیف واجب تھی اب قصد قربت نہ کرنے سے غلام کو آزاد کرنے میں ساقط ہوگئی ہے یا نہیں ہم کہیں گے تکلیف یہ چاہتی ہے کہ اس کی انجام دہی میں انسان کو یقین ہو کہ تکلیف شرعی یقینی طور پر انجام دے چکا ہوں پس قصد قربت بھی کرلے تاکہ یقین ہو جائے کہ تکلیف شرعی کو ہم بجالائے ہیں۔

سوال:۱۰۲۔ واجب توصلی کی تعریف کریں؟

جواب:۱۰۲۔ ایسا واجب ہے کہ جس میں قصد قربت کی ضرورت نہیں ہوتی جس طرح سے بھی اطاعت مولا حاصل ہو جائے وہ اطاعت کہلاتی ہے مثلاً انقاذ غریق، دفن میت، مسجد سے نجاست کا دور کرنا ان واجبات میں قصد قربت شرط نہیں ہے اور واجب توصلی کی دوسری تعریف یوں کی جاتی ہے کہ واجب توصلی ایسا واجب ہے کہ جس کے وجوب کی مصلحت وفلسفہ معلوم ہو کہ یہ کام کیوں واجب ہوا ہے۔

لیکن مرحوم مظفرؒ نے واجب تعبدی وتوصلی کے پہلے معنی کو قبول فرمایا ہے اور کتاب میں بھی اسی معنی کو ذکر کیا ہے۔

سوال:۱۰۳۔ واجب تعبدی وتوصلی میں نزاع کیا ہے؟

جواب:۱۰۳۔ نزاع اس میں یہ ہے کہ کیا متعلق امر (مامور بہ) میں یہ ممکن ہے کہ قصد قربت جزء یا شرط کے عنوان سے موجود ہو یا ممکن نہیں بلکہ محال ہے، مثلاً اگر مامور بہ صلاۃ ہو جس طرح طہارت صلاۃ میں شرط ہے کیا قصد قربت میں بھی نماز ویسے ہی شرط وقید ہے یا نہیں؟ اگر ہم یہ قائل ہو جائیں کہ یہ قید ناممکن ہے تو شک کی صورت میں ہم یہاں اصالۃ الاطلاق سے تمسک کر سکتے ہیں اگر ہم یہ کہیں کہ قصد قربت کا مامور بہ کے لئے شرط ہونا محال ہے تو ہم شک کی صورت میں حکم اطلاق کو یہاں جاری کریں گے یعنی نماز مطلق ذکر ہوئی ہے اس میں شرط کو ذکر نہیں کیا گیا اس وجہ سے یہ قصد قربت بھی شرط نہیں ہے۔

سوال:۱۰۴۔ قصد قربت کتنے طریقوں سے متصور ہو سکتی ہے؟

جواب:۱۰۴۔ قصد قربت چھ طریقوں سے متصور ہو سکتی ہے۔

(۱) مشہور علماء کے نزدیک قصد قربت امتثال واطاعت امر شارع وخداوند عالم ہے یعنی انسان عبادات کو اس وجہ

سے بجالاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت واجب ہے۔(۲) قصد قربت شکر نعمت الٰہی ہے(۳) قصد قربت رضایت الٰہی کو حاصل کرنا ہے(۴) قصد قربت ذاتاً محبوبیت ومطلوبیت رکھتی ہے یعنی عبادات ذاتاً واجب ہیں اگر حکم شارع سے بھی صرف نظر کریں تب بھی بجالانا واجب ہے(۵) قصد قربت خدا کی مصلحت کو حاصل کرنا ہے جو خداوند متعال نے عبادات میں رکھی ہیں(۶) قصد قربت حصول ثواب اور عقاب الٰہی سے دوری کا نام ہے۔

سوال:۱۰۵۔قصد قربت کی کون سی قسم میں اختلاف ہے؟

جواب:۱۰۵۔قسم اوّل میں جیسا کہ علماء مشہور کا عقیدہ ہے کہ قصد قربت امتثال اور اطاعت امر شارع ہے اور یہ ہے کہ قسم ۲/اور ۶/قصد قربت میں ہماری مورد بحث سے خارج ہیں کیونکہ اگر ان کے بغیر بھی عبادات کو انجام دیں تو وہ عبادات صحیح ہوں گی۔

سوال:۱۰۶۔خود واجب ابتدائی طور پر اطلاق وتقید کی نسبت سے کتنی قسموں پر مشتمل ہے؟

جواب:۱۰۶۔واجب کی ابتدائی تقسیم دو طریقوں پر مشتمل ہے۔۱۔تقسیمات اولیہ،۲۔تقسیمات ثانویہ۔

تقسیم اوّلیہ:اس کو کہتے ہیں کہ جب واجب کو حکم شارع کی طرف توجہ کئے بغیر اس کے اجزاء وشرائط کو ملاحظہ کیا جائے یعنی نماز سورۃ کے ساتھ واجب ہے یا بدون سورۃ واجب ہے مثلاً نماز کو تقسیم کریں کہ نماز باطہارت واجب ہے یا نماز بدون طہارت واجب ہے۔

تقسیم ثانویہ:وہ واجب ہے جو شارع کے حکم کی وجہ سے واجب ہوا ہو تو یہاں واجب یوں تقسیم ہوگا یعنی نماز با قصد قربت واجب یا نماز بدون قصد قربت واجب ہے اور واجب تعبدی وتوصلی کی تقسیم بھی اسی واجب سے ہے کہ یہ نماز یا تو معلوم الوجوب ہے یا نماز مجہول الوجوب ہے۔

سوال:۱۰۷۔کیا واجب کی تقسیم اوّلیہ وثانویہ کی صورت میں اصالۃ الاطلاق جاری ہوسکتی ہے؟

جواب:۱۰۷۔اگر تقسیم اوّلیہ میں شک ہوجائے تو وہاں قاعدۃ اصالۃ الاطلاق جاری ہوسکتا ہے کیونکہ یہ واجب (اجزاء وموانع اور شرائط کے اعتبار سے) یا تو بشرط شئی ہے یا بشرط لا ہے یا لا بشرط ہے اگر ان پر دلیل ہو تو اس پر عمل کریں گے اور اگر دلیل نہ ہو بلکہ شک ہو اور مقدمات حکمت جو کلام میں بیان ہو چکے ہیں وہ مکمل ہوں تو اس صورت میں قاعدۃ اصالۃ الاطلاق سے تمسک کر کے قیدیت کی نفی کر سکتے ہیں۔

لیکن واجب کی تقسیم ثانویہ میں اطلاق وتقید ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر حکم کے لئے پہلے اس کا موضوع ہونا چاہئے

اور یہ موضوع ہمیشہ حکم سے مقدم ہوتا ہے اور قصد قربت کا وجوب اس وقت آئے گی جب صلاۃ (موضوع) کے وجوب کا حکم پہلے آچکا ہو پس قصد قربت حکم صلاۃ سے مؤخر ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ اس شرط قصد قربت کو موضوع (صلاۃ) سے مقدم کریں اور اگر ہم مقدم کریں تو متاخر مقدم اور مقدم متاخر ہونا لازم آئے گا یہ خلف اور دور ہے جو محال ہے، پس جب موضوع کے لئے تقید محال ہوگئی تو اطلاق بھی محال ہو جائے گا اطلاق وہاں آتا ہے جہاں تقید ممکن ہو پس قاعدۃ اصالۃ الاطلاق تقسیم ثانوی واجب میں ممکن نہیں ہے۔

سوال:۱۰۸۔ اگر واجب میں شک ہو جائے کہ تعبدی ہے یا توصلی ہے تو یہاں قاعدۃ وقانون کیا ہے؟

جواب:۱۰۸ بعض علماء قائل ہیں کہ اگر ہم شک کریں اصل واجب تعبدی ہے یا توصلی تو اصل واجب تعبدی و عبادی ہوتا ہے تو واجب کو قصد قربت کے ساتھ بجالائیں گے یعنی احتیاط کریں گے، کیونکہ (الاشتغال الیقینی یستدعی البرائۃ الیقینیۃ) اور پہلے والے سوال میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہاں قاعدۃ اصالۃ الاطلاق جاری نہیں ہوگا، لیکن دوسرے علماء اور مرحوم مصنفؒ قائل ہیں کہ اصل واجب توصلی ہے کیونکہ یہاں اطلاق مقامی کا مورد ہے نہ کہ قاعدۃ اصالۃ الاطلاق جوامر کے اندر ہوتا ہے۔ یعنی اگر اس میں قصد قربت شرط ہوتی تو مولا اس کو بیان کرتا پس اصل واجب توصلی ہے یعنی شک کی صورت میں قصد قربت بھی اس میں شرط نہیں ہے۔

سوال:۱۰۹۔ واجب عینی اور کفائی کی تعریف کریں؟

جواب:۱۰۹۔ واجب عینی ایسا واجب ہے جو کہ مکلفین کے ہر فرد پر جداگانہ واجب ہوتا ہے کسی دوسرے کے بجالانے سے وہ ساقط نہیں ہوتا مثلاً نماز یومیہ، ماہ مبارک رمضان کا روزہ لیکن واجب کفائی وہ واجب ہے کہ بعض لوگوں کے انجام دینے سے بعض پر ساقط ہو جاتا ہے یعنی یہاں مطلوب اصل فعل کا انجام دینا ہے خواہ کوئی بھی انجام دے مثلاً سلام کا جواب دینا، میت کی تجہیز و تکفین کرنا۔

سوال:۱۱۰۔ واجب تعیینی اور واجب تخییری کی وضاحت کریں؟

جواب:۱۱۰۔ واجب تعیینی ایسا واجب ہے کہ عین وہی عمل مطلوب شارع ہے جس کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا ہے۔

مثلاً نماز یومیہ اس کی جگہ پر اگر کوئی اور فعل واجب کو انجام دے مثلاً روزہ رکھ لے تو نماز ساقط نہیں ہوگی لیکن اس کے برعکس واجب تخییری ایسا واجب ہے کہ اس کا بدل اور عوض ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی ماہ مبارک رمضان میں عمداً روزہ کو افطار

کرلے لیکن یہ افطار فعل حرام سے نہ ہو تو اس پر کفارہ واجب ہے اور اس میں اس کو اختیار ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ساٹھ روزے رکھے یا ایک غلام آزاد کرے۔

سوال: ۱۱۱۔ صیغہ افعل کا اطلاق واجب تعیینی میں ظہور رکھتا ہے یا واجب تخییری میں؟

جواب: ۱۱۱۔ صیغہ افعل کا اطلاق واجب تعیینی میں ظہور رکھتا ہے کیونکہ واجب تخییری کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اگر شک ہو کہ واجب تعیینی ہے یا واجب تخییری تو اس صورت میں اصل واجب تعیینی ہے۔

سوال: ۱۱۲۔ واجب نفسی اور واجب غیری کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۱۲۔ واجب نفسی ایسا واجب ہے کہ وہ خود مستقل طور پر واجب ہو اور اس کی ذات میں مصلحت ہو اور وہ کسی کے سبب سے واجب نہ ہوا ہو۔ جیسے نماز یومیہ، روزہ ماہ مبارک رمضان وغیرہ ہیں لیکن واجب غیری وہ ہے کہ کسی کے سبب سے واجب ہوا ہو۔ جیسے وضوء نماز کے سبب سے واجب ہوا ہے۔

سوال: ۱۱۳۔ صیغہ افعل جب مطلق ہو تو اس کا ظہور واجب نفسی میں ہے یا غیری میں؟

جواب: ۱۱۳۔ صیغہ افعل کے اطلاق کا ظہور واجب نفسی میں ہے کیونکہ واجب غیری قرینہ کا محتاج ہے اور شک کی صورت میں اصل وقانون واجب نفسی ہے نہ کہ غیری۔

''فوروتراخی''

سوال: ۱۱۴۔ صیغہ امر کی دلالت فور پر ہے یا تراخی پر اور اس میں کتنے قول ہیں؟

جواب: ۱۱۴۔ صیغہ امر کی دلالت میں چار قول ہیں ۔ ۱۔ صیغہ امر فور پر دلالت کرتا ہے ۲۔ تراخی پر دلالت کرتا ہے ۳۔ فوروتراخی میں مشترک لفظی ہے، یعنی دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع ہوا ہے ۴۔ نہ فور پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی تراخی پر بلکہ جس کے لئے قرینہ ہوا تو اس پر دلالت کرے گا ان مذکورہ اقوال میں سے چوتھے قول کو مرحوم مصنف ؒ نے اختیار فرمایا ہے۔

سوال: ۱۱۵۔ امر کی دلالت نہ فور پر ہے اور نہ تراخی پر اس میں مرحوم مصنف ؒ کے اس نظریے پر کیا دلیل ہے؟

جواب: ۱۱۵۔ چوتھے قول کو مرحوم مصنف ؒ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صیغۂ افعل نہ مادہ کے لحاظ سے اور نہ ہی ہیئت کے اعتبار سے نہ ہی فور پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی تراخی پر اور جس کے بارے میں قرینہ ہوگا امر اسی پر دلالت کرے گا اگر قرینہ نہ ہوا تو نہ فور پر دلالت کرے گا اور نہ ہی تراخی پر اگرچہ آیت شریفہ ۱۲۷ آل عمران ﴿وسارعوا الی

مغفرۃ من ربکم﴾ اور سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ اور سورہ مائدہ آیت ۵۳ ﴿فاسبقو اا الخیرات﴾ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ قرینہ ہے کہ جب بھی شارع حکم دے تو انسان کو اس کے بجالانے میں جلدی کی جائے لیکن یہ آیات وجوب سے فوری ہونے پر دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ یہی حکم مستحبات کے لئے بھی ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ مستحبات میں جلدی کرنا واجب نہیں اور صیغہ افعل کے لحاظ سے واجبات اور مستحبات دونوں مساوی ہیں۔

مرۃ و تکرار

سوال: ۱۱۶۔ صیغۂ امر کی دلالت مرۃ پر ہے یا تکرار پر اور اس میں کتنے اقوال ہیں؟

جواب: ۱۱۶۔ اس میں چار قول ہیں۔

۱۔ صیغۂ افعل وضع ہوا ہے کہ مرۃ پر دلالت کرے اور تکرار میں اس کا استعمال مجاز ہے۔

۲۔ صیغۂ افعل وضع ہوا ہے کہ تکرار پر دلالت کرے اور مرۃ میں اس کا استعمال مجاز ہے۔

۳۔ مرۃ و تکرار میں صیغۂ افعل مشترک لفظی ہے یعنی دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع ہوا ہے۔

۴۔ صیغۂ افعل نہ مرۃ کے لئے وضع ہوا ہے اور نہ ہی تکرار کے لئے اور نہ ہی مشترک لفظی ہے بلکہ صیغہ افعل بنیادی طور پر نہ مرۃ پر دلالت کرتا ہے اور نہ تکرار پر بلکہ اس کی دلالت طبیعت طلب اور ماہیت طلب پر ہوتی ہے اور اگر قرینہ مرۃ کے لئے ہوگا تو مرۃ پر دلالت کرے گا اگر قرینہ تکرار کے لئے ہوگا تو تکرار پر دلالت کرے گا۔

سوال: ۱۱۷۔ مرۃ و تکرار کے معنی میں کتنے قول ہیں؟

جواب: ۱۱۷۔ مرۃ و تکرار کے معنی میں دو قول ہیں۔ ۱۔ مرۃ بمعنی دفعہ اور تکرار بمعنی دفعات۔ ۲۔ مرۃ بمعنی فرد اور تکرار بمعنی افراد کیا گیا ہے ان دونوں معانی میں فرق ہے کیونکہ (دفعہ) کا لفظ ایک فرد اور اس سے زیادہ پر بھی دلالت کرتا ہے لیکن فرد ایک مرتبہ انجام دینے پر صدق کرتا ہے اور ان دونوں (دفعہ اور فرد) کے معنی میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

سوال: ۱۱۸۔ مرۃ و تکرار کے کس معنی میں نزاع ہے؟

جواب: ۱۱۸۔ ظاہراً مرۃ و تکرار کے معنی اوّل میں نزاع ہے یعنی دفعہ و دفعات میں نزاع ہے۔

سوال: ۱۱۹۔ صیغۂ افعل کی دلالت مرۃ پر ہے یا تکرار پر مرحوم مصنفؒ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۱۱۹۔ مرحوم مصنفؒ کا نظریہ چوتھا قول ہے کیونکہ صیغۂ افعل کی دلالت ہیئت اور مادہ کے لحاظ سے نہ مرۃ پر

ہے اور نہ ہی تکرار پر ان پر دلالت کرنے کے لئے علیحدہ دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ صرف صیغۂ افعل کے اطلاق سے اس کا استفادہ نہیں ہوسکتا۔

ہاں! اطلاق صیغہ افعل اگر قرینہ سے خالی ہو تو یہ دلالت کرتا ہے کہ مامور بہ کو ایک مرتبہ انجام دینے سے وجوب کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔

سوال: ۱۲۰۔ وجوب کے نسخ کی دلالت جواز عمل پر ہے یا کسی اور شئی پر اور اس میں کتنے اقوال ہیں اور مرحوم مصنفؒ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۱۲۰۔ علماء اصول کا اس میں اختلاف ہے کہ حکم وجوب کے نسخ کے بعد اس کی دلالت جواز حکم پر ہے یا نہیں لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ وجوب کے نسخ ہونے کے بعد جواز باقی رہ جاتا ہے۔

بعض علماء کا عقیدہ ہے کہ کیونکہ وجوب کا حکم معنی بسیط رکھتا ہے دو جزء میں منحل نہیں ہوتا یعنی (جواز و منع من ترک) جب وجوب چلا جائے تو جواز باقی نہیں رہتا کیونکہ وجوب ایک ہی حکم ہے نہ کہ جواز اور منع من ترک سے مرکب ہے مرحوم مظفرؒ کا نظریہ بھی دوسرا قول ہے، لیکن ان کے مقابلے میں جو قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حکم وجوب مرکب ہے اور نسخ وجوب سے منع من ترک ہوتا ہے، اور حکم جواز اپنی جگہ پر باقی رہ جاتا ہے یعنی یہ حضرات معنی وجوب کو مرکب (جواز الفعل اور منع من ترک) سمجھتے ہیں۔

سوال: ۱۲۱۔ اگر ایک شئی کے بارے میں دوبار حکم صادر ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۱۲۱۔ ۱۔ اگر دوسرا حکم پہلے حکم کے امتثال (انجام دہی) کے بعد آیا ہو تو اس میں شک نہیں ہے کہ اس کو دوبارہ انجام دینا واجب ہے۔ ۲۔ ہاں! اگر حکم اول کے امتثال سے پہلے دوسرا حکم آجائے تو اس میں دیکھنا ہوگا کہ دوسرا حکم تأسیسی ہے یا نہیں اگر تأسیسی ہے تو دوبار انجام دینا ہوگا اگر تأکیدی ہے تو ایک بار امتثال کافی ہے۔

سوال: ۱۲۲۔ امر تأکیدی و تأسیسی میں کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: ۱۲۲۔ امر تأکیدی میں چار صورتیں متصور ہیں۔

۱۔ اگر دونوں حکم مطلق ہوں جیسے (صَلِّ و صَلِّ) ان کے ساتھ کوئی قید و شرط نہ ہو تو یہ دونوں تأکیدی ہوں گے کیونکہ اگر تأسیسی ہوتے تو دوسرے امر کے ساتھ کوئی نہ کوئی قید و شرط ضرور ہوتی یعنی صَلِّ مرۃ اخریٰ کہا جاتا۔

۲۔ اور اگر دونوں امر ایک ہی شرط و قید کے ساتھ آئے ہوں مثلاً (ان کنت محدثا فتوضأ) دونوں ایک جیسے

ہوں تو دوسرا حکم تاکیدی ہوگا۔

۳۔اگر ایک مقید و مشروط ہو اور دوسرا مطلق ہو مثلاً پہلے حکم آئے (اغتسل) پھر اس کے بعد حکم آئے (ان کنت جنباً فغتسل) تو یہاں دو حکم ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ بجالانا ہوگا یہ تاکیدی نہیں بلکہ تاسیسی حکم ہے۔

۴۔اگر ہر ایک حکم کے ساتھ علیحدہ کوئی شرط و قید ہو مثلاً (ان کنت جنباً فاغتسل و ان مست میتاً فاغتسل) تو یہاں واضح ہے کہ ہر ایک علیحدہ حکم ہے اور امتثال بھی ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ہوگا یعنی یہ تاسیسی حکم ہوں گے۔

سوال:۱۲۳۔کیا غلام کا مولا کی طرف سے کسی اور غلام کو اُمر کرنا حجت ہے؟

جواب:۱۲۳۔غلام کا مولا کی طرف سے حکم کرنا دو طرح کا ہے (۱) اگر غلام دوسرے غلام کو یہ کہے کہ مولا حکم دے رہا ہے کہ تم اس کام کو بجالاؤ تو یہ حجت ہوگا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے احکام بھی اسی طرح ہیں ہاں اگر وہ غلام دوسرے غلام کو اپنی طرف سے حکم دے اور یہ نہ کہے کہ مولا فرما رہا ہے تو اس میں اختلاف ہے جیسے معصوم کی فرمایش ہے (مر هم بالصلاة و هم ابناء سبع) یعنی جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دو یہ حکم معصومؑ کی طرف سے منسوب نہیں ہوگا بلکہ والدین اپنی طرف سے دیں گے کیونکہ والدین کو حکم ہو رہا ہے کہ تم یہ حکم دو اور اگر ہم یہ تشخیص نہ دے سکیں کہ یہ غلام کا حکم ہے یا مولا حکم ہے تو وہ بھی محل نزاع میں آجائے گا یعنی مشکوک ہو جائے گا۔

سوال:۱۲۴۔مرحوم مصنفؒ کا امر بالامر میں کیا نظریہ ہے؟

جواب:۱۲۴۔مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں عرف کے نزدیک یہ ہے کہ اس غلام کا حکم دوسرے غلام کے لئے انجام دینا واجب ہے کہ اس کو بجالائے کیونکہ اس کو بھی مولا کا حکم سمجھا جاتا ہے۔

﴿الخاتمه فی تقسیمات الواجب﴾

۱ — المطلق والمشروط

۲ — المعلق والمنجز

۳ — الاصلی والتبعی

۴ — التخییری والتعیینی

۵ — العینی والکفائی

۶ — الموسع والمضیق (هل یتبع القضاء الاداء؟)

سوال: ۱۲۵۔ واجب مطلق اور واجب مشروط کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۲۵۔ واجب مشروط ایسا واجب ہے کہ جو کسی شئی پر موقوف ہو اور وہ شئی واجب کی شرط ہونے کے سبب سے حکم وجوب میں آئی ہو جیسے حج کے وجوب کے لئے مستطیع ہونے کی شرط ہے اور جب تک انسان مستطیع نہیں ہوگا حج واجب نہیں ہوگا۔

واجب مطلق ایسا واجب ہے کہ اس کے واجب کا وجوب کسی شئی پر موقوف نہ ہو جیسے حج کی نسبت سے سفر کرنا، خواہ ہم سفر کریں یا نہ کریں حج واجب ہے سفر حج کے مقدمات وجودیہ میں سے ہے نہ وجوبیہ میں سے ہے۔

سوال: ۱۲۶۔ واجب منجّز اور واجب معلق کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۲۶۔ واجب اور وجوب کا وقت ایک ہی ہو جیسے نماز کا وقت جب آجائے تو وجوب اور واجب کا ایک ہی وقت ہو جاتا ہے اس کو واجب منجّز کہتے ہیں اور اگر واجب کا وقت وجوب کے وقت سے متاخر ہو تو اس کو واجب معلق کہتے ہیں جیسے حج کی ادائیگی اس کے موسم پر موقوف ہے لیکن جب انسان کے پاس استطاعت آجائے تو حج واجب ہو جاتا ہے لیکن اس کے وجوب کی ادائیگی موسم حج پر موقوف ہے۔

سوال: ۱۲۷۔ واجب اصلی اور تبعی کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۲۷۔ واجب اصلی ایسا واجب ہے کہ جو حقیقت میں مقصود متکلم ہو جیسے نماز کا وجوب 'اقیموا الصلاۃ' سے سمجھا جاتا ہے اور وضوء کا وجوب (فاغسلوا وجوھکم) سے سمجھا جاتا ہے اور مقصود متکلم بھی اسی وجوب کو سمجھاتا ہے۔

واجب تبعی وہ واجب ہے جو حقیقت میں مقصود و مطلوب متکلم نہیں ہوتا یعنی مولا کے کلام سے یہ وجوب واضح طور پر نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس واجب کے توابع میں سے ہوتا ہے مثلاً بازار میں جانا 'اشتر اللحم' سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ بازار میں جائے گا تو گوشت خریدے گا لیکن کلام متکلم میں بازار جانے کا ذکر نہیں ہے اور مولا کا مقصود بھی گوشت لانا ہے نہ کہ غلام کا بازار جانا مقصود ہے۔

سوال: ۱۲۸۔ واجب مضیّق و موسع کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۲۸۔ واجب زمان کے اعتبار سے موَقت اور غیر موَقت میں تقسیم ہوتا ہے پھر واجب موَقت واجب موسع اور واجب مضیق میں تقسیم ہوتا ہے اور واجب غیر موَقت فوری اور غیر فوری میں تقسیم ہوتا ہے اور واجب غیر موَقت کی ادائیگی

کا وقت مخصوص نہیں ہوتا مثلاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قضا نمازوں کا واجب ہونا وغیرہ لیکن واجب مؤقت وہ ہے کہ شارع نے اس کے لئے مخصوص وقت کو مقرر کیا ہو۔

اور واجب موسع وہ ہے کہ اس کے انجام دہی کا وقت اس کے وجوب کی مدت زمانی سے کم ہو جیسے ظہرین کا وقت وسیع ہے لیکن اس کی ادائیگی دس منٹ میں ہو جاتی ہے ہاں! اگر اس واجب کی ادائیگی کا وقت اس کی مدت زمانی کے ساتھ مساوی ہو تو اس کو واجب مضیّق کہتے ہیں جیسے روزہ کیونکہ اس کی ادائیگی اور وجوب کی مدت کا وقت مساوی ہے اسی طرح حج کے اعمال اور اس کی مدت زمانی کا وقت ایک ہے نہ کم اور نہ زیادہ ہے مثلاً وقوف عرفات کا وجوب ۹/ ذی الحجہ کے دن زوال سے غروب تک ہے اور ادائیگی بھی اسی ہی وقت میں ہوتی ہے۔

سوال: ۱۲۹۔ واجب موسّع میں کتنے قول ہیں اس میں مرحوم مصنفؒ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۱۲۹۔ واجب موسع میں دو قول ہیں مرحوم مصنفؒ واجب موسع کو عقلاً جائز سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں شرعاً بھی واقع ہوا ہے اور اسی طرح واجب موسع کے تعریف میں بھی دو نظریے ہیں۔ ۱۔ واجب موسع اوّل وقت میں واجب ہے اور اوّل وقت کے بعد میں قضاً سمجھی جائے گی۔ ۲۔ واجب موسع آخر وقت میں واجب ہے اگر اوّل وقت میں انجام دے دے تو غرض شارع حاصل ہو جاتی ہے مثلاً نماز ظہرین کو اوّل وقت میں انجام دینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

سوال: ۱۳۰۔ اگر مکلف کسی واجب کو اپنے معین وقت میں بجا نہ لائے تو کیا اس کی قضاً کے واجب ہونے کے لئے وہی پہلے والا حکم کافی ہے یا حکم قضاً کے لئے دوسرا حکم مولا کے لئے صادر کرنا ضروری ہے؟

جواب: ۱۳۰۔ اس مسئلہ میں چند اقوال ہیں۔ ۱۔ پہلے والا حکم قضاً کے لئے مطلقاً کافی ہے۔ ۲۔ ادا والا حکم قضاً کے لئے مطلقاً کافی نہیں۔ ۳۔ تفصیل کے قائل ہیں۔

مرحوم مصنفؒ قائل ہیں کہ ادا کا حکم قضاً کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ قضاً کے لئے علیحدہ حکم کی ضرورت ہے کیونکہ حکم ادا سے قضاً کا حکم نہیں سمجھا جاتا۔

سوال: ۱۳۱۔ قضا کا وجوب ادا کے وجوب کا تابع ہے اس کے کیا معنی ہے؟

جواب: ۱۳۱۔ یہ بحث واجب مؤقت کی فروعات میں سے ہے قضاً ادا کے تابع ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر واجب مؤقت اپنے وقت میں ترک ہو جائے تو اس کو کسی اور وقت میں بجالانے کا نام (قضا) ہے۔

سوال: ۱۳۲۔ قضا ادا کے تابع ہے اس میں اختلاف کہاں ہے؟

جواب:۱۳۲۔مثلاً اگر شارع نے کسی واجب کو اپنے مقررہ وقت میں انجام دینے کا حکم دیا ہو اگر مکلف اس کو مقررہ وقت میں بجا نہ لائے تو کیا اس کو کسی اور وقت میں (جس کو اصطلاح میں قضاً کہا جاتا ہے) بجالانے کے لئے کسی دوسرے حکم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اس میں گفتگو یہ ہے کہ خود واجب مؤقت مطلوب واحد رکھتا ہے یا متعدد (یعنی مطلوب واحد سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی واجب کو اس کے مقررہ وقت میں بجالانا) اگر واجب مؤقت کو وقت میں انجام نہیں دیا تو واجب کا وجوب اگر باقی ہے تو اس کو بجالانا اسی پہلے والے حکم میں آتا ہے اگر اس کا وجوب باقی نہیں ہے تو قضاً کے لئے دوسرے حکم کی ضرورت ہے۔

سوال:۱۳۳۔قضاً تابع ادا ہے یا نہیں اس میں کتنے اقوال ہیں؟

جواب:۱۳۳۔اس میں تین قول ہیں۔

۱۔قضاً مطلقاً تابع ادا ہے۔

۲۔اگر واجب مؤقت کی دلیل متصل ہو تو حکم قضاً تابع حکم ادا نہیں ہے اور اگر دلیل منفصل ہو تو حکم قضاً تابع حکم ادا ہے۔

۳۔مصنفؒ فرماتے ہیں قضاً مطلقاً (خواہ واجب مؤقت کی دلیل متصل ہو یا منفصل ہو) حکم ادا کے تابع نہیں ہے مثلاً مولا یہ کہے (صم یوم الجمعه) یا پہلے کہے (صم) بعد میں کہے (اجعل صومک یوم الجمعه) دونوں میں مطلوب ایک ہے۔

☆☆☆☆☆

باب الثالث

وفیه خمس مسائل:

۱ — مادة النهی

۲ — صیغة النهی

۳ — ظهور صیغة النهی فی التحریم

۴ — ما المطلوب فی النهی

۵ — دلالة صیغة النهی علی الدوام

باب سوم۔نواہی

سوال:۱۳۴۔باب نواہی میں کن چیزوں سے بحث کی جائے گی؟

جواب:۱۳۴۔ابواب نواہی میں پانچ چیزوں میں گفتگو ہوگی۔۱۔مادہ نہی ۔۲۔صیغہ نہی ۔۳۔کیا صیغہ نہی کا ظہور حرمت میں ہے؟۔۴۔صیغہ نہی سے کیا مراد ہے۔۵۔صیغہ نہی کی دلالت دوام پر ہے یا تکرار پر۔

سوال:۱۳۵۔مادہ نہی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۱۳۵۔لفظ ''نہی'' کا معنی یہ ہے کہ شخص عالی، شخص ادنیٰ سے (جو رتبہ میں اس سے کم ہے) اس سے کسی کام کے نہ کرنے کو طلب کرے پس معلوم ہوا کہ مادہ نہی (ن،ہ،ی) حرمت پر دلالت کرتا ہے جس طرح امر کا مادہ (ا،م،ر) وجوب پر دلالت کرتا ہے امر کی گفتگو میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ مادہ امر کی دلالت وجوب پر عقلی تھی اسی طرح مادہ نہی کی دلالت حرمت پر بھی عقلی ہے وضعی نہیں ہے۔

سوال:۱۳۶۔صیغہ نہی سے کیا مراد ہے اور اس کا ظہور کس میں ہے؟

جواب:۱۳۶۔ہر وہ صیغہ جو کام کے ترک کرنے پر دلالت کرے جیسے ''لا تفعل'' ''و ایاک ان تفعل'' اس کا ظہور حرمت میں حکم عقل کی وجہ سے ہے لیکن مشہور قائل ہیں کہ حرمت پر دلالت حکم وضع کی وجہ سے ہے مرحوم مصنفؒ نہی کے صیغہ کی دلالت میں مثل صیغۂ امر کے قائل ہیں کہ جس طرح امر کا وجوب میں ظہور حکم عقل کی وجہ سے ہے اسی طرح نہی کا ظہور حرمت میں بھی حکم عقل کی وجہ سے ہے۔

سوال:۱۳۷۔نہی سے مراد (ترک فعل) ہے یا (کف النفس) یعنی اپنے آپ کو روک رکھنا؟

جواب:۱۳۷۔ترک عدمی شئی ہے لیکن کف النفس یہ فعل وجودی ہے کیونکہ اپنے آپ کو روکنا یہ کاموں میں سے ایک کام ہے لیکن مرحوم مظفرؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہی فقط ترک الفعل ہے خواہ وہ فعل وجودی ہو 'اُترک شرب الخمر' (اس میں معنی مطابقی ترک فعل ہے) یا خواہ وہ ترک فعل عدمی ہو مثلاً 'لا تشرب الخمر' (تو اس میں معنی مطابقی کف النفس ہے) دونوں میں ترک فعل مساوی ہیں مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں اصلاً یہاں مراد و مطلوب کی بحث ہی نہیں جو کہ طلب امر میں تھی کیونکہ نہی ردع و زجر ہے یہ (طلب ترک فعل) ملازمہ عقلی ہے نہ دلالت مطابقی تاکہ اس میں یہ گفتگو کی جائے۔

سوال:۱۳۸۔کیا نہی کا صیغہ استمرار یا تکرار پر دلالت کرتا ہے؟

جواب:۱۳۸۔ فرماتے ہیں کہ صیغہ "لا تفعل" کی ہیت ہو یا مادہ ہو وہ نہ مرۃ پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی تکرار پر لیکن فعل منہی عنہ جس کے ترک کرنے کا حکم ہے اگر انسان اس کو ترک کرنا چاہتا ہے تو اس کے کسی فرد کو بھی انجام نہ دے بلکہ اس منہی عنہ کی طبیعت فعل کو ترک کردے۔

سوال:۱۳۹۔ صیغہ امر اور صیغہ نہی میں کیا فرق ہے؟

جواب:۱۳۹۔ صیغہ امر و نہی کا فرق فقط امتثال میں ظاہر ہوتا جب بھی مکلّف ان کو بجالاتا ہے کیونکہ نہی کی طبیعت یہ ہے کہ فعل کو انجام نہ دیا جائے یہ اس وقت حاصل ہوگا جب مکلّف اس کے تمام افراد کو ترک کردے گا لیکن صیغہ امر کی طبیعت اس کے برعکس ہے اگر اس کے ایک فرد کو بھی بجالاؤ گے تو مأمور بہ اس پر صادق آتا ہے

☆☆☆☆☆

الباب الرابع — المفاهيم

تمهيد في

١ — معنى كلمة المفهوم

٢ — النزاع في حجية المفهوم

٣ — اقسام المفهوم

وهي ستة:

١ — مفهوم الشرط

تحرير محل النزاع فيه — المناط في مفهوم الشرط — اذا تعدد شرط واتحد الجزاء

باب چہارم مفاہیم

سوال:۱۴۰۔باب مفاہیم میں کتنی چیزوں سے گفتگو ہوگی؟

جواب:۱۴۰۔تین موارد میں گفتگو ہوگی۔۱۔معنی کلمہ مفہوم۔۲۔حجیت مفہوم میں اختلاف۔۳۔اقسام مفہوم

سوال:۱۴۱۔مفہوم اور منطوق کی تعریف کریں؟

جواب:۱۴۱۔المنطوق :(هو حكم دل عليه اللفظ فی محل النطق)ایسا حکم ہے کہ جس کے بارے میں کلام کے اندر لفظ موجود ہو اور وہ لفظ اس حکم پر دلالت کرے۔مثلاً "اذا بلغ الماء كراً لا ينجسه الشئی"یعنی اگر آب کر کی مقدار تک پہنچ جائے تو کوئی شئی اس کو نجس نہیں کر سکتی یعنی یہ مذکورہ معنی کلام کے الفاظ ہی سے حاصل ہوا ہے اسی کو منطوق کہتے ہیں۔

المفہوم:(هو حكم دل عليه اللفظ لا فی محل النطق)ایسا حکم ہے کہ کلام کے الفاظ اس پر دلالت نہ کریں جس طرح منطوق میں تھا بلکہ کلام میں جو الفاظ ہیں ان کے برعکس معنی دے مثلاً اگر پانی کی مقدار کر تک نہ پہنچے تو نجاست کی وجہ سے نجس ہو جائے گا یعنی عقل مذکورہ معنی پر دلالت التزامی کے ذریعے دلالت کرتا ہے پس منطوق و مفہوم کی اس طرح تعریف کریں گے' منطوق وہ حکم ہے جو کلام میں ذکر ہو اور مفہوم وہ حکم ہے جو کلام میں ذکر نہ ہو۔

سوال:۱۴۲۔لفظ''مفہوم'' کا کیا معنی ہے؟

جواب:۱۴۲۔اس کے تین معانی ہیں۔

۱۔مدلول لفظ کے معنی میں آتا ہے خواہ وہ مدلول مفرد ہو یا جملہ اسی طرح مدلول حقیقی ہو یا مجازی،

۲۔وہ معنی جو کلام کے مصداق کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو یعنی وہ معانی جو ذہن میں حاصل ہوں لیکن لفظوں میں نہ ہوں۔

۳۔اگرچہ یہ معنی بھی کلام کے مصداق کے مقابل میں ہے لیکن مذکورہ دو معانی سے خاص ہے یعنی منطوق ایسا معنی ہے جس کو متکلم کلام میں دلالت مطابقی کے ساتھ ذکر کرے اور مفہوم ایسا معنی ہے جو دلالت التزامی کے ساتھ سمجھا جائے۔

سوال:۱۴۳۔مفہوم میں کیا اختلاف ہے؟

جواب:۱۴۳۔مفہوم کے موجود ہونے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ کلام اس میں ہے کہ یہ مفہوم حجت ہے یا نہیں۔

سوال:۱۴۴۔مفہوم کی کتنی اقسام ہیں ان کی تعریف کریں؟

جواب:۱۴۴۔ مفہوم کی دو قسمیں ہیں، مفہوم الموافق اور مفہوم المخالف۔

مفہوم الموافق: ایسا حکم ہے جو خود منطوق کلام کے ساتھ موافقت رکھتا ہو جیسے ﴿لا تقل لهما اف﴾(الاسراء ۲۳/) اپنے والدین کو اف تک نہ کہو، اسی سے ہم یہ مفہوم سمجھیں گے کہ ان کو گالی گلوچ دینا اور مارنا پیٹنا بدرجہ اولی جائز نہیں ہے یہ مفہوم کلام کے منطوق سے موافقت رکھتا ہے اس کو (نحوی الخطاب) بھی کہتے ہیں۔

مفہوم المخالف: وہ حکم ہے جو خود منطوق کلام میں اس کے مخالف ہو جیسے مقدار کر کی مثال میں عرض کر چکے ہیں۔

سوال:۱۴۵۔ کلام میں جو مفہوم مخالف موجود ہوتے ہیں اس کی کتنی قسمیں ہیں ان کے نام ذکر کریں؟

جواب:۱۴۵۔ ۱۔ مفہوم شرط ۔۲۔ مفہوم وصف ۔۳۔ غایت مفہوم ۔۴۔ مفہوم حصر ۔۵۔ مفہوم عدد ۔۶۔ مفہوم لقب۔

(۱۔ مفہوم شرط)

سوال:۱۴۶۔ جملہ شرطیہ میں مفہوم کا کیا معنی ہے اور اس جملے کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب:۱۴۶۔ جملہ شرطیہ جزاء پر معلق ہونے کو بتاتا ہے اس میں کلام کا منطوق جملہ شرطیہ ہے یعنی جملہ شرطیہ کی منطوق پر دلالت وضعی طور پر ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ جملہ شرطیہ اگر حکم کے موضوع کو بیان کرے مثلاً "ان رُزقت ولدًا فاختنه" یہاں جملہ شرطیہ کا مفہوم نہیں ہے کیونکہ جب موضوع (یعنی جب بچہ ہی متولد نہیں ہوگا) منتفی ہو جائے گا تو حکم (ختنہ کرنا یا نہ کرنا) لگانا معنی نہیں رکھتا۔ ۲۔ کبھی جملہ شرطیہ میں عین حکم جو تالی ہے اس کو شرط جو مقدم ہے اس کے ساتھ معلق کر دیں لیکن یہ حکم ایسا ہو جو بغیر شرط کے بھی متصور ہو سکتا ہے جیسے "ان احسن صديقك فاحسن اليك" یہاں اگر ایک دوست اپنے کسی دوست پر احسان کرے تو لازم نہیں ہے کہ اس کا دوست بھی بدلے میں احسان کرے تو یہاں یہ بحث ہے کہ کیا یہ جملہ مفہوم رکھتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں "ان لم تحسن صديقك لا تحسن اليه" اگر تمہارا دوست احسان کے بدلے احسان نہیں کرتا تو تم بھی اس پر احسان نہ کرو۔

سوال:۱۴۷۔ کیا جملہ شرطیہ مفہوم رکھتا ہے؟ اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب:۱۴۷۔ ہاں! جملہ شرطیہ مفہوم رکھتا ہے یعنی شرط و جزاء کے ارتباط پر دلالت کرتا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے تین امور کو ثابت کرنا ہوگا۔

(الف) جملہ شرطیہ مقدم اور تالی کے درمیان ارتباط پر دلالت کرتا ہے۔ (ب) اور جملہ شرطیہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تالی مقدم پر موقوف ہے اور مقدم تالی کے ساتھ مُعلّق ہے۔

(ج) سبب ہونا مقدم (شرط) کے ساتھ منحصر ہو یعنی کوئی سبب اس کی جگہ نہ لے سکتا ہو، یعنی مشروط کے لئے یہ تنہا شرط انحصاری ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جملہ شرطیہ میں ان مذکورہ امور پر بعض کی دلالت بالوضع ہے اور بعض کی دلالت بالاطلاق ہے۔

ا۔ مقدم و تالی کے ارتباط پر دلالت بالوضع ہے اس کی دلیل تبادر ہے کہ جملہ شرطیہ کو اس ملازمہ کی وجہ سے شرطیہ کہتے ہیں جو شرط جزاء کے درمیان پایا جاتا ہے اور یہاں وضع سے مراد ہیئت ترکیبیہ کی وضع ہے نہ خود ادات شرط کی وضعی دلالت مراد ہے اگر ان ادات شرط کو جملہ اتفاقیہ میں استعمال کریں تو پھر ان کی جملہ شرطیہ پر دلالت مجازاً ہوگی۔

۲۔ جملہ شرطیہ میں مقدم کا تالی کے لئے سبب ہونا یہ بھی وضع کی وجہ سے ہے اس پر دلیل تبادر ہے۔

۳۔ لیکن جملہ شرطیہ کی سببیت انحصاری پر دلالت اطلاق کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر مقدم کے علاوہ کوئی اور سبب ہوتا تو (اوٗ عاطفہ) کے ذریعے بیان ہوتا اور کلام میں (اوٗ عاطفہ) کا بیان نہ ہونا دلیل ہے کہ یہ سببیت انحصاری ہے مذکورہ ادلۃ کے علاوہ جملہ شرطیہ کے مفہوم پر روایات بھی دلالت کرتی ہیں۔

سوال: ۱۴۸۔ اگر شروط متعدد ہوں اور جزاء ایک ہو کیا یہ ممکن ہے؟

جواب: ۱۴۸۔ یہ بات ممکن بھی ہے اور دو طریقوں سے واقع پذیر بھی ہوئی ہے۔

ا۔ کبھی جزاء قابل تکرار نہیں ہوتی، مثلاً سفر میں نماز قصر ہے خواہ وہ سفر "**اذا خفی الاذان فقصر و اذا خفیت الجدران فقصر**" نماز کا قصر ہونا اذان سنائی نہ دینے کے سبب سے ہو یا شہر کی دیواریں نظر نہ آنے کے سبب سے ہو اس جملے میں شرطیں دو ہیں لیکن جزاء (یعنی نماز کا قصر ہونا) ایک ہے۔

۲۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جزاء قابل تکرار ہوتی ہے مثلاً "**اذا أجنبت فاغتسل، اذا مستَ میتاً فاغتسل**" جب بھی مجنب ہو جاؤ تو غسل کرو اور جب میت کو مس کرو تو غسل کرو،

اس مسئلہ میں دو صورتیں ہیں (الف) کیا یہ دونوں شرطیں مل کر ایک جزاء کے لئے سبب ہیں (ب) یا ہر ایک شرط مستقل طور پر جزاء کے لئے سبب ہے یعنی ہر ایک کے لئے اپنی جزاء ہے۔

سوال: ۱۴۹۔ اگر دو دلیلوں کے مصداق و مفہوم میں تعارض ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۱۴۹۔ مثلاً نماز قصر کے حکم میں (**خفی الاذان**) ہو گئی ہے لیکن (خفی جدران) نہیں ہوئی تو کیا نماز قصر پڑھ سکتے ہیں اس مذکورہ تعارض کی صورت میں یوں جواب دیتے ہیں کہ اگر ان دو اسباب کے درمیان عطف (واوٗ) کے

ذریعے سے ہو مثلاً " اذا خفی الاذان. و اذاخفی جدران" تو یہاں تداخل اسباب مراد ہے یعنی جب دونوں سبب جمع ہوں گے تب نماز قصر ہوگی ہاں ! اگر عطف (اَو) کے ذریعے سے ہوا ہو تو ہر ایک سبب مستقل ہے اور ہر ایک سبب پر نماز قصر ہوسکتی ہے یعنی جزاء قابل تکرار ہوگی۔

☆☆☆☆☆

تنبیهان

الاول — تداخل المسببات — الثانی — الاصل العملی فی المسالتین

١ — مفهوم الوصف

٢ — مفهوم الغاية

٣ — مفهوم الحصر

٤ — مفهوم العدد

٥ — مفهوم اللقب

سوال:۱۵۰۔اگر یہ دونوں شرطیں ایک ہی وقت میں حاصل ہو جائیں تو قانون وقاعدہ اوّلیہ کیا ہے۔؟

جواب:۱۵۰۔ہاں!اگر دونوں اسباب وشروط میں تداخل ہو جائے اور جزاء ایک ہی ہو تو تداخل اسباب نہیں ہوگا مرحوم مظفرؒ فرماتے ہیں کیونکہ ہر جزاء کے لئے ایک مستقل شرط ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ تداخل اسباب پر کوئی قرینہ یا دلیل دلالت کرے مصنفؒ کے نزدیک قاعدہ اوّلیہ کا تقاضا عدم تداخل ہے مگر یہ کہ تداخل پر کوئی دلیل ہو۔

سوال:۱۵۱۔تداخل اسباب اور مسببات میں اصل عملی کیا ہے؟

جواب:۱۵۱۔اس میں اصل عملی ''تداخل'' اسباب ہے یعنی اگر شک کریں کہ ایک غسل ہم پر واجب ہے یا اس سے زیادہ تو حقیقت میں ایک ہی غسل واجب ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ ایک سبب ایک ہی تکلیف میں مؤثر ہوگا اور دوسری تکلیف شرعی میں شک کریں گے کہ یہ واجب ہے یا نہیں تو اس میں اصالۃ برائت کو جاری کریں گے یعنی دوسری تکلیف واجب نہیں ہے۔

لیکن مسببات میں اصل عملی ''عدم تداخل'' ہے کیونکہ جب ہمیں یقین ہو جائے کہ تکالیف متعدد ہیں تو یہ متعدد ہونا اسباب کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اگر ہم ایک مامور بہ کو انجام دیں پھر شک کریں کہ ایک تکلیف بجالانے سے دوسری تکالیف ساقط ہوگئیں ہیں یا نہیں؟ قاعدہ اشتغال کا تقاضا یہ ہے کہ ایک تکلیف کے ساقط ہونے سے دوسری تکالیف ساقط نہیں ہوں گی لیکن علماء ایک مورد کو استثناء کرتے ہیں کہ جب دو واجب کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہو اور تداخل مسببات ہوں مثلاً ''تصدق علی المسکین و تصدق علی ابن سبیل'' یہ دونوں مسکین اور ابن سبیل ایک فرد میں جمع ہو جائیں تو ایک صدقہ دینا کافی ہوگا پس نتیجہ یہ ہوا کہ اگر اسباب میں شک ہو تو اصل عملی تداخل ہے اگر مسببات میں شک ہو تو اصل عملی عدم تداخل ہے۔

اگر مفہوم یا عدم مفہوم پر قرینہ ہو تو اس قرینہ کے مطابق عمل کریں گے مگر مفہوم ان صفات میں سے ہو جو غلبہ کو بیان کرتی ہیں مثلاً ﴿ربائبکم اللاتی فی حجورکم﴾ کیونکہ عموماً ربائب (پہلے شوہر کی اولاد) ماں کی دوسری شادی کے بعد ماں کے ساتھ ہوتی ہیں یعنی شوہر جدید کے یہاں ہوتیں ہیں لیکن مفہوم یہ ہے کہ اگر ماں کے ہمراہ دوسرے شوہر کے پاس نہ ہوں تو حرام نہ ہوں گی لیکن یہ صفات ایسی ہیں کہ عام طور پر (پہلے شوہر کی اولاد) ماں کے ہمراہ ہی ہوتی ہے۔

(۲۔ مفہوم وصف)

سوال:۱۵۲۔ کیا وصف مفہوم رکھتا ہے؟

جواب:۱۵۲۔ اس مسئلہ میں دو قول ہیں مشہور یہ ہے کہ وصف مفہوم نہیں رکھتا کیونکہ وصف سے جو تقیید حاصل ہوتی ہے وہ موضوع کے لئے ہوتی ہے نہ کہ حکم کے لئے یعنی موضوع کو محدود کرتی ہے نہ حکم کو' جو حکم کو مقید کرے تو وہ مفہوم رکھتی ہے جو موضوع یا متعلق حکم کو مقید و محدود کرے وہ مفہوم نہیں رکھتی لیکن ظاہر یہ ہے کہ وصف قید موضوع حکم ہے نہ قید خود حکم اس وجہ سے وصف مفہوم نہیں رکھتا۔

سوال:۱۵۳۔ وصف اصولی کے مفہوم کی تعریف کریں؟

جواب:۱۵۳۔ یہ وصف نعت نحوی سے عام ہے جو حال، تمیز اور ہر وہ شئی جو موضوع حکم کے لئے قید بن سکے (مثل جار و مجرور اور ظرف) پس وصف کے لئے ضروری ہے کہ اپنے موصوف پر اعتماد رکھتا ہوا گر اس کا موصوف محذوف ہو جائے گا تو (لقب) میں شمار ہوگا جیسے ﴿السارق و السارقة فاقطعوا ایدیهما﴾ اس میں موصوف محذوف ہے اس وجہ سے یہ مفہوم وصف نہیں رکھتا پس مفہوم وصف کے لئے ضروری ہے کہ وصف کے چلے جانے سے موصوف موجود رہے ﴿السارق....﴾ کے چلے جانے سے اُصلاً موصوف ہی باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح صفت و موصوف میں اخص مطلق یا من وجہ کی نسبت ہونا چاہئے اگر مساوی یا اعم مطلق ہوا تو وصف اپنے موصوف کو مقید نہیں کر سکتا جو مقید و محدود نہیں کر سکتا وہ مفہوم بھی نہیں دے سکتا اسی وجہ سے اس کا مفہوم بھی نہیں ہوگا۔

سوال:۱۵۴۔ وصف کے مفہوم پر کونسی ادلّہ دلالت کرتی ہیں مرحوم مصنف کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب:۱۵۴۔ اگر وصف مفہوم نہ رکھتا تو اس کا ذکر کرنا بے فائدہ لازم آتا ہے مصنفؒ اس بات کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا صرف موضوع حکم کو مقید کرنا یہ کلام میں فائدہ دینے کے لئے کافی ہے۔

۲۔ کلام میں قیود حقیقتاً احترازی ہوتے ہیں مصنفؒ فرماتے ہیں جو دائرہ موضوع کو تضییق کر دے اس کو احتراز کہتے ہیں۔

۳۔ خود وصف کا وجود اسی علت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ وصف حکم کے لئے ہے اور وہ وصف مفہوم رکھتا ہے اگرچہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ وصف مفہوم رکھتا ہے لیکن اس مفہوم پر اس کا کوئی ظہور نہیں ہے تا کہ مفہوم وصف کو قبول کر لیں۔

۴۔ ایسے وہ موارد جو روایات معصومین علیہم السلام میں نقل ہوئے ہیں جو وصف بھی رکھتے ہیں تو وہ مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔

مصنفؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں ہاں ! ایسی روایات موجود ہیں لیکن ان پر قرینہ دلالت کرتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ قرینہ اگر ہو تو دلالت ہو سکتی ہے ہماری گفتگو اس میں ہے کہ جہاں قرینہ نہ ہو۔

(۳۔ مفہوم غایت)

سوال: ۱۵۵۔ غایت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ۱۵۵۔ لغت میں غایت کے معنی، مسافت و نہایت کے ہیں لیکن اصطلاح میں غایت اس کو کہتے ہیں جو حروف غایت کے بعد واقع ہو مثلاً "اتم الصیام الی اللیل اور کل شئی حلال حتی تعرف انه حرام بعینه" علماء اصول اس میں اختلاف نظر رکھتے ہیں ۔۱۔ کیا غایت (جو حروف غایت کے بعد واقع ہو) حکم مغیّٰ میں داخل ہوتی ہے یا نہیں اور یہ اختلاف نظر منطوق کے اعتبار سے ہے۔

۲۔ مفہوم کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے کہ اگر غایت کے ذریعے کلام میں تقیید لائی جائے اور نسخ حکم جو غایت زمانی کے بعد آیا ہے اور مغیّٰ کے اندر داخل ہوتا ہے اس تقیید کے سبب منتفی ہو جائے گا یا نہیں بشرطیکہ اس میں مخصوص قرائن موجود نہ ہوں جو اس کے منتفی یا عدم منتفی پر دلالت کرتے ہوں۔

سوال: ۱۵۶۔ مفہوم غایت میں کتنے اقوال ہیں؟

جواب: ۱۵۶۔ مفہوم غایت میں چار اقوال ہیں ۱۔ غایت مطلقاً منطوق میں داخل ہوتی ہے ۔۲۔ غایت مطلقاً مفہوم میں داخل نہیں ہوتی ۔۳۔ اگر غایت اور مغیّٰ کی جنس ایک ہو تو غایت مفہوم میں داخل ہوتی ہے مثلاً (لیل و نہار) ۔۴۔ اگر غایت لفظ (اِلیٰ) کے بعد واقع ہو تو منطوق میں داخل ہوتی ہے مثلاً (سرت من البصرة الی الکوفه) اگر (اِلیٰ) کے علاوہ ادات کے ساتھ ذکر ہو تو داخل ہوتی ہے مثلاً (أکلت السمکة حتی رأسها) اور یہاں (حتی) جارہ ہے نہ کہ عاطفہ کیونکہ جارہ اپنے مابعد کو ماقبل میں شامل کرتا ہے۔

سوال: ۱۵۷۔ کیا غایت کا مفہوم ہوتا ہے؟

جواب: ۱۵۷۔ اگر غایت حکم کے لئے قید ہو تو قید غایت کے منتفی ہونے سے حکم بھی منتفی ہو جائے گا۔ جیسے "کل شئی طاهر حتی تعلم انه نجس" جب شئی کے نجس ہونے کا علم ہو جائے تو شئی بھی نجس ہو جائے گی اگر غایت موضوع یا محمول کے لئے قید ہو تو اس وقت مفہوم پر دلالت نہیں کرتی، مرحوم مصنفؒ قائل ہیں کہ غایت مفہوم نہیں رکھتی ہے کیونکہ غایت معنی کے حکم میں داخل ہے یا نہیں یا اس مفہوم کو بتاتی ہے یا نہیں اصلاً غایت اس میں کوئی ظہور نہیں رکھتی۔

سوال: ۱۵۸۔ حصر کے کتنے معنی ہیں؟

جواب: ۱۵۸۔ حصر کے دو معنی ہیں۔ ۱۔ قصر یعنی محدود کرنے کے معنی میں آتا ہے خواہ یہ قصر صفت کو موصوف کے لئے کریں جیسے (لا سیف الاذوالفقار و لافتی الاعلیؑ) یا موصوف کو صفت کے لئے منحصر و محدود کریں مثلاً ﴿ما محمد الا رسول﴾ (سورہ آل عمران/۱۴۴) ﴿و انمّاانت منذر﴾ (سورہ الرعد/۷)

۲۔ کبھی حصر استثناء کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن اس کو اصطلاح میں قصر نہیں کہتے، ﴿فشربوا منه الا قليلا﴾ تمام اصحاب طالوت نے پانی پیا مگر کچھ اصحاب نے نہیں پیا۔

سوال: ۱۵۔ ادات حصر کتنے ہیں؟

جواب: ۱۵۹۔ ادات حصر پانچ ہیں ۱۔ اِلاّ استثنائیہ ۲۔ انمّا ۳۔ بل ۴۔ مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا۔ ۵۔ مسندالیہ کو لام جنس سے معرفہ بنانا۔

سوال: ۱۶۰۔ کیا لفظ (اِلاّ) مفہوم رکھتا ہے؟

جواب: ۱۶۰۔ یہ لفظ تین طریقوں سے جملات میں ذکر ہوتا ہے۔ ۱۔ اگر (اِلاّ لفظ غیر) کے معنی میں ہو تو صفت ہوگا تو اس صورت میں مفہوم نہیں رکھتا مثلاً "فی ذمتی لزید دراهم الا درهم" ۲۔ اگر (اِلاّ) استثنائیہ ہوا تو یہ مفہوم رکھتا ہے یعنی مستثنیٰ الحکم مستثنیٰ منہ سے خارج ہے مثلاً "جاء القوم اِلاّ زید"، ۳۔ اگر اِلاّ استثنائیہ حرف نفی کے بعد واقع ہو تو اس صورت میں مفہوم رکھتا ہے مثلاً " لا صلاة اِلا بطهور "یعنی اگر طہارت کے بغیر نماز ادا کی جائے تو وہ نماز نہیں۔

ہاں! اگر شک ہو کہ اِلاّ استثنائیہ ہے یا وصفیہ تو اصل یہ ہے کہ اِلاّ استثنائیہ ہے۔

سوال: ۱۶۱۔ حروف حصر کتنے ہیں کیا یہ مفہوم رکھتے ہیں؟

جواب: ۱۶۱۔ حروف حصر مندرجہ ذیل ہیں (۱) اِلاّ، اس کی تین صورتیں ہیں جن کو بیان کر چکے ہیں (۲) اِنمّا جس جملے میں یہ واقع ہوتا ہے اگر اس جملے کے موضوع کے ساتھ اس حکم کو محصور و معین کر دے تو یہ بھی مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً "اِنمّاانت جاهل"، (۳) بل ضرابیہ یہ تین موارد میں استعمال ہوتا ہے۔

(الف) کلام مضروب عنہ (یعنی ایسی کلام جس کو لفظ (بل) سے پہلے ذکر کیا گیا ہو) غفلت اور بھولے سے کہی جائے مثلاً کوئی کہے "جاء خالد"لیکن اس کو یاد آئے کہ غفلت میں تھا پھر کہے "بل عمر" اس صورت میں لفظ (بل) حصر پر دلالت نہیں کرے گا۔

(ب) کبھی لفظ بل کلام مضروب عنہ کی تاکید کے لئے آتا ہے مثلاً "زید عالم بل شاعر" اس صورت میں

بھی حصر پر دلالت نہیں کرتا اور نتیجتاً مفہوم بھی نہیں رکھتا،

(ج) پہلے جو متکلم کلام کہہ چکا ہے اس کو ابطال کرنے کے لئے لفظ 'بل' کو لایا جاتا ہے مثلاً ﴿ام یقولون به جُنّة بل جاء هم بالحق﴾ (سورہ مؤمنون / ۷۰) یہاں (لفظ بل) حصر پر دلالت کرتا ہے اور نتیجتاً یہ مفہوم بھی رکھتا ہے۔

(۴) حروف اور ھیئات کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو حصر پر دلالت کرتی ہیں مثلاً مفعول کو فعل اور فاعل پر مقدم کرنا ﴿ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾ اور مسند کو مسند الیہ سے مقدم کرنا اور مسند الیہ کو الف لام جنس کے ساتھ ذکر کرنا "العالم محمد" اور اس طرح کی مثالیں۔

مذکورہ ھیئات حصر میں ظہور رکھتی ہیں جب بھی ان سے حصر کا معنی حاصل ہوگا تو حتماً یہ مفہوم رکھتے ہوں گے کیونکہ مفہوم کا لازمہ حصر ہے یعنی جہاں بھی جملہ حصر پر دلالت کرے گا وہ جملہ مفہوم رکھتا ہوگا کیونکہ ان کے درمیان ملازمہ بین بمعنی اخص ہے۔

(۵۔ مفہوم عدد)

سوال:۱۶۲۔ کیا عدد مفہوم رکھتا ہے؟

جواب:۱۶۲۔ عدد کو محدود کرنے سے مفہوم ظاہر نہیں ہوتا مثلاً "صم ثلاثة ایا م فی کل شهر" یعنی ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا مستحب ہے اس سے یہ مفہوم ظاہر نہیں ہوتا کہ تین دن سے زیادہ روزے رکھنا مستحب نہیں ہیں۔

(۶۔ مفہوم لقب)

سوال:۱۶۳۔ لقب اصولی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۱۶۳۔ لقب ہر وہ اسم ہے جو موضوع حکم قرار پائے خواہ وہ مشتق ہو یا جامد مثلاً " أطعم الفقير" فقیر کو کھانا کھلاؤ فقیر یہاں موضوع جامد ہے۔ اسی طرح مثلاً ﴿السارق و السارقة فقطعوا اید یهما﴾

سوال:۱۶۴۔ کیا لقب مفہوم رکھتا ہے۔

جواب:۱۶۴۔ لقب مفہوم نہیں رکھتا ہے کلام میں لقب موضوع کے لئے اسم واقع ہوتا ہے اور غیر مذکورہ کلام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا اور یہ تعلیق حکم پر دلالت بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ انحصار پر دلالت کرے اگر بالفرض لقب مفہوم بھی رکھتا ہو جس طرح بعض قائل ہیں تو وہ مفہوم اضعف مفاہیم ہوگا۔

الخاتمه

خاتمة فی دلالة الاقتضاء والتنبیه والاشارة

سوال:۱۶۵۔ دلالت اقتضاءً وتنبیہ اور اشارہ کی وضاحت کریں؟

جواب:۱۶۵۔ مرحوم مظفرؒ دلالت اقتضاءً واشارہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اصولین کی زبان پر ان کا ذکر کافی ہوا ہے اگر ان کو دلیل منطوقی اور مفہومی کے مقابلے میں ایک مستقل دلیل قرار دیا جائے تو مناسب ہوگا اور ان تینوں کو ایک نام (یعنی دلالت سیاقی جو سیاق کلام سے حاصل ہوتی ہے) دیا جائے تو مناسب ہوگا سیاق کلام خواہ مفرد سے حاصل ہو یا مرکب سے یا لفظ مقدر سے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سوال:۱۶۶۔ دلالت اقتضاءً کی تعریف کریں؟

جواب:۱۶۶۔ اگر ہم کلام کی دلالت کو عرف میں مقصود متکلم پر موقوف کریں یا یہ کہیں کہ کلام کا کامل وصحیح ہونا عقلاً یا شرعاً یا لغتاً یا عادتاً مقصود متکلم پر موقوف ہے تو اس کو دلالت اقتضاءً کہتے ہیں مثلاً آنحضرتؐ فرماتے ہیں ''لا صلاۃ لمن جارہ المسجد الا فی المسجد'' اس جملے کا کامل ہونا اس پر موقوف ہے کہ لفظ ''کاملہ'' کو اس میں مقدر مانیں یعنی (لا صلاۃ الکاملہ لمن....) یعنی جو ہمسایہ مسجد میں نماز ادا نہ کرے اس کی نماز کامل نہیں ہے نہ یہ کہ خود نماز ہی نہیں ہے اسی طرح آیت شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے ﴿فاسئلوا القریہ﴾ یہاں معنی کو صحیح کرنے لئے لفظ (اہل) کو مقدر فرض کرنا ہوگا یعنی ﴿فاسئلوا اھل القریہ﴾۔

سوال:۱۶۷۔ دلالت تنبیہ وایما کی تعریف کریں؟

جواب:۱۶۷۔ یہ بھی دلالت اقتضاءً کی طرح ہے لیکن اس کا کامل اور صحیح ہونا کلام متکلم پر موقوف نہیں ہے بلکہ سیاق کلام اس طرح ہوتا ہے کہ اس پر مخاطب کو یقین ہو جاتا ہے۔ مثلاً ''اِنیّ عطشان'' یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ متکلم پانی کو طلب کر رہا ہے تو اس کو دلالت تنبیہ یا دلالت ایماء کہتے ہیں۔

سوال:۱۶۸۔ دلالت تنبیہ وایماء کن موارد میں استعمال ہوتی ہے؟

جواب:۱۶۸۔ اگرچہ دلالت تنبیہ کے موارد بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں اہم کو ہم یہاں ذکر کریں گے۔

(الف) متکلم اپنے کلام سے مخاطب کو لازمہ عرفی وعقلی سمجھانا چاہتا ہو۔ مثلاً یہ کہے کہ سورج طلوع ہو گیا ہے اور اس کی مراد یہ ہو کہ تو نے نماز صبح قضاءً کر دی ہے یا مثلاً ۱۰ بج گئے ہیں مقصود متکلم یہ ہو کہ دوست سے ملنے کا وقت ہو چکا ہے۔

(ب) جب کہ کلام کسی ایسی شئی کے ساتھ ہو جس سے ہم حکم کے لئے علت یا شرط یا جزء یا مانع کو سمجھیں یا یہ کہ مذکورہ امور کے نہ ہونے کو سمجھیں، مثلاً سائل نے امامؑ سے سوال کیا کہ کسی نے ماہ مبارک رمضان میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کی ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ تو امامؑ نے نے فرمایا اس کو کفارہ دینا چاہئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے یا اگر امامؑ سے کوئی سوال کرتا ہے کہ میں نے نماز کی فلاں رکعت میں شک کیا ہے اور حضرتؑ فرمائیں "أعد الصلاة" صلاۃ کا اعادہ کرو یعنی نماز جو پڑھی ہے وہ باطل ہے۔

(ج) اگر کلام کے ساتھ کوئی ایسی شئی ذکر کی جائے تو بعض متعلقات فعل کو معین کرے۔ مثلاً کوئی اس طرح کہے کہ میں نہر پر پہنچا اور پیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پینے اور نہر سے جو اقتران ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی ہے کہ جس کو اس نے پیا اور وہ پانی بھی نہر کا پانی تھا۔

سوال:۱۶۹۔ دلالت اشارہ کی تعریف کریں؟

جواب:۱۶۹۔ یہ دلالت مذکورہ دو دلالتوں کے برعکس ہے ان میں کلام کو عرف کے اعتبار سے مقصود متکلم پر ہونا شرط تھا لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ کلام مقصود متکلم پر دلالت کرے بلکہ اس کا معنی کلام کے معنی کے ساتھ ملزم ہونا چاہئے اور یہ لازمہ لزوم غیر بین یا لزوم بین بالمعنی الاعم ہونا چاہئے خواہ یہ مدلول ومعنی ایک کلام سے سمجھا جائے یا دو کلام سے سمجھا جائے، مثلاً آیت کریمہ ﴿وحمله و فصاله ثلا ثون شهرا﴾ (سورہ احقاف/۱۵) اور دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے ﴿والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین﴾ (سورہ بقرہ/۲۳۳) جب ان دو آیات کو ملا کر ملاحظہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ماں کو دو سال یعنی ۲۴/ماہ اپنے بچہ کو دودھ پلانا ہے تو باقی چھ ماہ رہ جائیں گے یعنی عورت کم از کم ۶/ماہ حمل کو اپنے شکم میں رکھتی ہے۔

سوال:۱۷۰۔ کیا دلالت تنبیہ، اقتضاء واشارہ حجت ہیں یا نہیں؟

جواب:۱۷۰۔ کیونکہ ان کی حجیت ظواہر کے باب سے ہے اور ان کی دلالتیں ثابت ہیں اسی وجہ سے وہ حجت ہیں لیکن دلالت اشارہ کو دلالت کہنا مجاز گوئی ہے اس کو ملازمہ عقلیہ کی وجہ سے دلالت کہا جاتا ہے اگر ہم ملازمہ کے قائل ہو جائیں تو یہ عقلاً حجت ہوگی مثلاً اقرار مُقرِ سے قاضی اس کے لوازمات کو حاصل کرتا ہے۔

باب الخامس- العام و الخاص

١١ – فصول

١ – الفاظ عموم

٢ – مخصص متصل و منفصل

٣ – هل استعمال العام فی المخصص مجاز؟

٤ – حجية الاستعمال المخصص فی الباقی

٥ – هل يسری اجمال المخصص الی العام (الف) شبه مفهوميه (ب) شبهه مصداقيه

٦ – لايجوز العمل بالعام قبل الفحص عن المخصص

٧ – تعقيب العام بضمير يرجع الی بعض افراده

٨ – تعقيب استثناء لجمل متعددة

٩ – تخصيص العام بالمفهوم

١٠ – تخصيص الكتاب بخبر الواحد

١١ – الدوران بين التخصيص والنسخ

(باب پنجم: عام وخاص)

سوال:۱۷۱۔عام وخاص کے باب میں کن مباحث سے گفتگو ہوتی ہے؟

جواب:۱۷۱۔تقریباً ۱۰ارمباحث ذکر ہوں گے(۱) الفاظ عموم کو بیان کرنے سے پہلے چند باتیں ذکر کریں گے(۲) مخصص متصل ومخصص منفصل (۳) لفظ عام کا استعمال تخصیص کے بعد باقی افراد میں مجاز ہے یا نہیں (۴) عام مخصص اپنے باقی افراد میں حجت ہے یا نہیں (۵) کیا مُخصص اجمال عام میں سرایت کرے گا یا نہیں،(۶) مخصص میں فحص وتحیص کرنے سے پہلے عام پر عمل کرنا کیا جائز ہے (۷) عام کے بعد ایسی ضمیر کا استعمال جو عام کے بعض افراد کی طرف لوٹے کیا جائز ہے (۸) کیا چند جملوں کے بعد استثناء آسکتا ہے (۹) کیا مفہوم کے ذریعے عام کو تخصیص دے سکتے ہیں (۱۰) کیا خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ کو تخصیص دے سکتے ہیں (۱۱) اوراس طرح تخصیص ونسخ کے درمیان گفتگو ہوگی۔

سوال:۱۷۲۔عام وخاص کی تعریف کریں؟

جواب:۱۷۲۔عام اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے موضوع یا متعلق موضوع یا مکلفین کے تمام افراد کو شامل ہو اور خاص ایسا حکم ہے جو اپنے موضوع یا متعلق موضوع یا مکلفین کے بعض افراد کو شامل ہو۔

سوال:۱۷۳۔تخصیص اور تخصّص میں کیا فرق ہے؟

جواب:۱۷۳۔تخصیص: وہ حکم ہے جو عام کے بعض افراد کو حکم عام سے خارج کردے یعنی اگر تخصیص نہ ہوتی تو تمام افراد موضوع عام میں داخل ہوتے مثل "اکرم العلماء الا زید"

تخصص: اس حکم کو کہتے ہیں کہ وہ فرد جس کو موضوع کے افراد سے خارج کیا گیا ہے اصلاً وہ پہلے سے اس عام کے حکم میں داخل ہی نہیں تھا۔

سوال:۱۷۴۔عام کی اقسام ذکر کریں؟

جواب:۱۷۴۔عام اس اعتبار سے کہ حکم اس سے تعلق رکھتا ہے یہ تین قسموں پر مشتمل ہوتا ہے۔۱۔عموم استغراقی۔۲۔عموم بدلی۔۳۔عموم مجموعی۔

سوال:۱۷۵۔عموم استغراقی،عموم مجموعی اور عموم بدلی کی تعریف کریں؟

جواب:۱۷۵۔عموم استغراقی: وہ ہے کہ حکم عام کے تمام افراد کو جداگانہ شامل ہو یعنی ہر لفظ عام کا فرد مستقل طور پر موضوع حکم ہو۔مثل "اکرم کل عالم"

عموم مجموعی: وہ ہے کہ حکم تمام افراد کے لئے ایک مجموعی موضوع رکھتا ہو اگر ان میں سے ایک فرد کو بھی ترک کیا جائے تو ایسے ہے کہ کسی فرد کو بھی انجام نہیں دیا۔ مثلاً ائمہ معصومینؑ پر ایمان رکھنا واجب ہے اگر ان میں سے ایک کو ترک کیا گیا تو جیسے کسی پر بھی ایمان نہیں لائے یعنی اگر کسی نے ایک امام معصوم علیہ السلام کی اطاعت کو ترک کیا تو گویا اس نے تمام ائمہ کی اطاعت کو ترک کر دیا۔

عموم بدلی: وہ عام ہے کہ حکم تمام افراد میں سے صرف ایک فرد پر آئے لیکن معین نہیں وہ کونسا فرد ہے مثلاً "اعتق اية رقبة شئت" جس غلام کو چاہتے ہو آزاد کرو۔

نوٹ: (۱) عموم بدلی میں عموم بالبدل ہے ان میں سے ایک کو بجالانے سے حکم ساقط ہو جاتا ہے یعنی تمام افراد پر حکم بالعموم نہیں آتا (۲) اگر عموم بدلی کا عموم وضع سے سمجھا جائے تو اس کا مفہوم افراد عام کو شامل ہوگا اگر اس کا عموم مقدمات حکمت سے سمجھ میں آجائے تو وہ عموم کا معنی حکم مطلق میں آئے گا (۳) اور اوامر وجوبی اور استحبابی کے عمومات بھی عموم بدلی رکھتے ہیں۔

سوال: ۱۷۶۔ الفاظ عموم کے ساتھ دلالت کی کیفیت کو بیان کریں؟

جواب: ۱۷۶۔ مثلاً لفظ "کل، ایّ" دائماً کی دلالت عموم پر وضع کے سبب سے ہے یعنی یہ الفاظ معنی عموم کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

۲۔ اگر نکرہ سیاق نفی اور نہی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے تو عموم پر اس کی دلالت عقلی ہے مثل "ماجائنی من احد" اور نہی مثل "لا تضرب احداً"

۳۔ جمع محلّی بالف ولام: لفظ جمع کا لفظ جو الف لام کے ساتھ ذکر ہوا ہے اس کی عموم پر دلالت بسبب اطلاق لفظ ہے جو مقدمات حکمت کے سبب سے حاصل ہوتی ہے مثلاً "احل الله البيع و حرم الربا"

سوال: ۱۷۷۔ عام کی تخصیص کتنی قسموں پر مشتمل ہے ان کی وضاحت کریں؟

جواب: ۱۷۷۔ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ متصل ۲۔ منفصل اگر لفظ عام کے ساتھ خود مُخصِّص کلام میں موجود ہو تو اس کو مخصّص متصل کہتے ہیں۔ جیسے "اشهد ان لا اله الا الله" یعنی کلام میں تخصیص متصل ہونا یہ دلیل ہے کہ پہلے سے ہی عام سے مراد خاص لیا گیا ہے اگرچہ لفظ عام کا ظہور بدوی و ابتدائی عموم میں ہے لیکن جب جملہ کامل کو دیکھیں تو اس جملے سے خاص کا معنی سمجھ میں آتا ہے۔ ہاں! اگر خود کلام میں مخصِّص موجود نہ ہو بلکہ بعد میں علیحدہ جملے کی صورت میں ذکر ہوا ہو یہ

مخصص منفصل کہلاتا ہے یہ بھی اسی کو بتاتا ہے کہ لفظ عام سے مراد عموم لیا گیا ہے پھر بعد میں خاص کو لا کر لفظ عام کو تخصیص دی گئی ہے۔

سوال: ۱۷۸۔ مخصِص منفصل اور متصل میں کیا فرق ہے؟

جواب: ۱۷۸۔ مخصِص متصل میں لفظ عام کے لئے کلام میں اصلاً ظہور ہی نہیں ہوتا لیکن مخصِص منفصل میں لفظ عام کے لئے ظہور ہوتا ہے بہر حال ہر صورت میں لفظ عام کا ظہور اپنے معنی میں اقوی ہوتا ہے جب خاص کو کلام میں ذکر کیا جاتا ہے تو لفظ خاص کا ظہور عام پر اقوی ہو جاتا ہے کیونکہ خاص (تقدم اظهر على الظاهر يا تقديم نص على الظاهر) کی وجہ سے عام پر مقدم ہے۔

سوال: ۱۷۹۔ کیا عام کو اس کے افراد مُخصَّص میں استعمال کرنا مجاز ہے؟

جواب: ۱۷۹۔ علماء اصول کا اس میں اختلاف ہے (الف) استعمال مجاز ہے۔ (خواہ مخصِص متصل ہو یا منفصل)
(ب) استعمال مطلقاً حقیقت ہے (ج) اگر تخصیص متصل ہو تو حقیقت ہے اگر منفصل ہو تو مجاز ہے (د) اگر تخصیص منفصل ہو تو حقیقت ہے اگر متصل ہو تو مجاز ہے۔

مرحوم مظفرؒ قول دوم کو ترجیح دیتے ہیں یعنی عام کے ساتھ مخصص متصل ہو یا منفصل عام کا استعمال اپنے افراد میں حقیقت ہے۔

مصنف کی دلیل یہ ہے کہ مثال ''اكرم كل عالم الا الفاسقين'' میں لفظ کل اپنے ہی افراد میں استعمال ہوا ہے جو علماء عادل تھے ان ہی میں استعمال ہوا ہے اس وجہ سے عام مخصَّص کا اپنے مخصوص افراد میں استعمال حقیقت ہے۔

سوال: ۱۸۰۔ جس عام کو تخصیص دی گئی ہے کیا وہ اپنے باقی افراد میں حجت ہے؟

جواب: ۱۸۰۔ اس مسئلہ میں چند اقوال ہیں۔ (۱) مصنفؒ کے نزدیک مطلقاً حجت ہے (۲) مطلق حجت نہیں ہے (۳) مخصص متصل حجت ہے اور منفصل حجت نہیں ہے (۴) مخصص متصل حجت نہیں بلکہ مخصص منفصل حجت ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ عام اپنے باقی افراد میں مطلقاً (خواہ اس کا مخصص متصل ہو یا منفصل) حجت ہے مثلاً ''ان كل ماء طاهر الا الماء المتغير بالنجاسة'' مثلاً اگر قلیل پانی جو نجاست سے متصل ہوا ہے لیکن متغیر نہیں ہوا اس میں شک کریں کہ نجس ہوا ہے یا نہیں تو مذکورہ دلیل کی بناء پر کہ عام اپنے باقی افراد میں حجت ہے تو یہ پانی مشکوک النجاسۃ پاک ہوگا کیونکہ عام اپنے افراد ہی میں استعمال ہوا ہے فقط مخصص نے اس کے افراد کا دائرہ کم کر دیا ہے۔

سوال:۱۸۱۔ اگر مخصص میں اجمال ہو تو یہ اجمال و شک عام کے باقی افراد میں سرایت کرتا ہے یا نہیں؟

جواب:۱۸۱۔ مثلاً خاص کے معنی میں اجمال ہے کہ یہ خاص عام کے کتنے افراد کو خارج کر رہا ہے تو کیا یہ سبب بنتا ہے کہ عام کے دوسرے افراد جو خاص میں نہیں آتے یہ شک ان میں بھی سرایت کرتا ہے یا نہیں تو اس اجمال و شک کی دو صورتیں ہیں یا تو شک مفہوم میں ہوگا تو اس کو شبہ مفہومیہ کہتے ہیں یا تو وہ شک مصداق میں ہوگا تو اس کو شبہ مصداقیہ کہتے ہیں۔

سوال:۱۸۲۔ شبہ مفہومیہ اور شبہ مصداقیہ کی تعریف کریں؟

جواب:۱۸۲۔ (۱) شبہ مفہومیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) شک بین اقل و اکثر مثلاً "**کل ماء طاهر الا ما تغير طعمه او لونه او ريحه**" کیونکہ اس مثال میں شک ہے کہ لفظ (تغیر) سے تغیر حسی مراد ہے یعنی جس تغیر کو ہم ظاہری طور پر دیکھ سکتے ہوں (یعنی یہ شک اقل کی مثال ہے) یا تغیر سے مراد تغیر تقدیری مراد ہے خواہ ہم اس تغیر کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے ہوں (یعنی یہ شک اکثر کی مثال ہے) کیونکہ اس کا مفہوم وسیع تر ہے۔ (۱) شبہ مفہومیہ بین متباینین کی مثال "**اکرم زیداً**" اب معلوم نہیں کون سا زید مراد ہے (زید ابن ارقم یا زید بن خالد) ان دونوں صورتوں میں مخصص متصل اور منفصل دونوں ہی آسکتے ہیں تو یہ مجموعاً چار صورتیں ہو جائیں گی (۲) اگر مخصص متصل ہو تو خواہ شبہ مفہومیہ اقل و اکثر ہو یا شبہ متباینین میں ہو تو اگر خاص میں شک ہو جائے تو یہ شک خاص عام میں سرایت کرے گا تو عام مجمل ہو جائے گا اور عام اپنی حجیت سے ساقط ہو جائے گا تو اس صورت میں ہم اصالۃ العموم سے تمسک نہیں کر سکتے کیونکہ مخصص متصل مثل قرینہ متصلہ کے ساتھ ہوتا ہے اس وجہ سے لفظ عام حکم عموم میں منعقد نہیں ہو سکتا بلکہ خاص کے علاوہ دوسرے افراد میں منعقد ہوگا اور وہ جب خاص ہی اگر مجمل و مشکوک ہو کہ اس سے مراد کون ہیں تو عام بھی مشکوک و مجمل ہو جائے گا۔

۳۔ اگر شبہ دوران بین اقل و اکثر ہو اور مخصص متصل ہو اس میں خاص کا اجمال عام میں سرایت نہیں کرے گا تو شک کی صورت میں قاعدۃ اصالۃ العموم کو جاری کر سکتے ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ عام اپنے عموم میں استعمال ہو رہا ہے اور خاص کیونکہ منفصل ذکر ہوا ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ "**من باب تقديم الاقوى الحجتين**" کے اعتبار سے خاص عام پر اقوی ہے لیکن خاص اس وقت حجت ہوگا جب اس کے ظہور میں اجمال و شک نہ ہو حالانکہ اس خاص کے ظہور میں شک ہے پس قاعدہ اصالۃ العموم یہاں جاری کریں گے اور کہیں گے کہ یہاں عام کے تمام افراد مراد ہیں۔

۴۔ اگر شبہ دوران بین متباینین ہو اور مخصص منفصل ہو: اس صورت میں خاص کا اجمال عام میں سرایت کرے گا

کیونکہ خاص کے آنے سے عام کے افراد مردّد و مشکوک ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے عام اپنی حجیت سے ساقط ہو جائے گا اگر چہ عام کا ظہور بدوی وابتدائی باقی ہے لیکن علم اجمالی جو شک کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس کو حجیت سے ساقط کر دیتا ہے پس قاعدۃ اصالۃ العموم یہاں جاری نہیں ہوگا۔

(۲) شبہ مصداقیہ: حق یہ ہے کہ شبہ مصداقی کا اجمال لفظ عام میں سرایت کرے گا اور اس کی حجیت کو ختم کر دے گا کیونکہ خاص اقوی حجتین ہوتا ہے اب خود مصداق خاص میں جب شک کریں گے تو عام میں بھی شک ہو جائے گا تو جب ہمیں یہ شک ہو کہ کیا عام اس فرد مشکوک کو شامل ہے یا نہیں پس یہاں بھی قاعدۃ اصالۃ العموم جاری نہیں کر سکتے۔

سوال: ۱۸۳۔ مخصص لبی کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۸۳۔ مخصص لبی وہ ہے کہ الفاظ کے ذریعے سے ان پر دلالت نہ ہو، مثلاً اجماع علماء اور دلیل عقلی، ان کی دلالت الفاظ کے ذریعے سے نہیں ہوتی اگر اس کے ذریعہ لفظ عام کو تخصیص دی جائے تو اس کو مختص لبی کہتے ہیں۔

سوال: ۱۸۴۔ اگر مخصص لبی شبہ مصداقیہ میں ہو تو وہاں عام سے تمسک کر سکتے ہیں؟

جواب: ۱۸۴۔ اگر مخصص لبی مثل اجماع اور دلیل عقلی شبہ مصداقیہ میں آجائے تو شک کی صورت میں تمام افراد سے تمسک کرنے میں چند اقوال ہیں؟

۱۔ شیخ انصاریؒ اور مرحوم مصنفؒ قائل ہیں کہ شبہ مصداقیہ میں اگر مخصص لبی ہو تو عام سے مطلقاً تمسک کر سکتے ہیں،

۲۔ مرحوم آخوندؒ فرماتے ہیں اگر مخصص لبی مقصود و مراد متکلم کو بیان کرتا ہو تو عام سے تمسک جائز نہیں ہے یعنی احکام ضروری و بدیہی عقل ہوں تو مخصص متصل کا حکم رکھتے ہیں اور اگر مخصص مراد متکلم کو واضح نہ کر سکے تو پھر عام سے تمسک کر سکتے ہیں تو یہ مخصص لبی مخصص منفصل کے حکم میں آجائے گا۔

۳۔ مرحوم نائینیؒ تفصیل کے قائل ہیں فرماتے ہیں اگر مخصص لبی موضوع حکم کے لئے قید ہو تو اس صورت میں اصالۃ العموم سے تمسک نہیں کر سکتے اگر وہ مخصص لبی ملاک حکم ہو تو اصالۃ العموم سے تمسک کر سکتے ہیں اگر بالفرض یہ شک ہو کہ یہ مخصص لبی ملاک موضوع ہے یا ملاک حکم تو اس صورت میں اگر وہ مخصص لبی احکام ضروری میں سے ہے تو ملاک موضوع ہوگا اگر احکام ضروری میں سے نہیں ہوا تو ملاک حکم ہوگا۔

سوال: ۱۸۵۔ عام کے مخصص میں فحص و تحقیق کرنے سے پہلے کیا عام پر عمل کرنا جائز ہے؟

جواب: ۱۸۵۔ مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے کیونکہ عموماً شارع مقدس اپنے احکام شرعیہ و مقاصد کو

قرائن منفصلہ سے ذکر فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ کتاب وسنت میں حکم عام بھی ہے اور حکم خاص بھی اور حکم مطلق بھی اور حکم مقید بھی ہے۔

سوال: ۱۸۶۔ اگر لفظ عام کے بعد ایک ضمیر ذکر ہو تو کیا وہ ضمیر عام کے بعض افراد کی طرف لوٹ سکتی ہے؟

جواب: ۱۸۶۔ مثال کے طور پر ﴿والمطلقات یتربصن با نفسھن ثلاثة قروء.....و بعولتھن احق بردھن فی ذلک﴾

اس آیت شریفہ میں لفظ (المطلقات) عام ہے یعنی مطلقہ رجعیہ اور بائنہ دونوں کو شامل ہے لیکن یہ اتفاقی و اجماعی بات ہے کہ ﴿بعولتھن احق بردھن﴾ میں جو ضمیر ''ھن'' ہے وہ مطلقات رجعیہ کی طرف لوٹ رہی ہے تو اس صورت میں اب ہم دوراہے پر کھڑے ہیں یا تو ضمیر ''ھن'' میں تصرف و تبدیلی کریں یا لفظ (مطلقات) میں تصرف و تبدیلی کریں یعنی یا تو یہ کہیں کہ ضمیر ''ھن'' جس کا ظہور عام ہے اس ظہور کی مخالفت کریں یا یہ کہیں کہ قاعدہ استخدام فی المجاز کے تحت فقط (مطلقات رجعیات) کی طرف لوٹتی ہے تا کہ عام کا عموم اپنی جگہ پر باقی رہے یا یہ کہیں لفظ (مطلقات) کا ظہور برخلاف عام صرف رجعیات کی طرف لوٹتا ہے تب ہم ''ھن'' کی ضمیر کو مطلقات کے موافق بنا کر اس کی طرف لوٹا سکتے ہیں ان دو ظہورں میں سے کس ظہور کی مخالفت کریں ان ظہوروں کی مخالفت کرنے میں تین اقوال ہیں۔

سوال: ۱۸۷۔ اگر استثناء جملات متعدد کے بعد واقع ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۱۸۷۔ مثلاً آیت شریفہ: ﴿والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتو بأربعة شھداء فاجلودھم ثمانین جلدة ولا تقبلوا شھادة ابدا اولئک ھم الفاسقون الاّ الذین تابوا﴾

اس آیت شریفہ میں جو جملہ ﴿اِلاّ لذین تابوا﴾ ذکر ہوا ہے یہ مذکورہ آیت کے تمام جملات ﴿فاجلدوھم۔ لا تقبلوا۔ شھادة۔ ھم الفاسقون۔﴾ کی طرف لوٹ سکتا ہے یعنی ان مذکورات جملات کا ظہور عام ہے اب بحث اس میں ہے کہ یہ استثناء ﴿الّا الذین تابوا﴾ تمام مذکورہ جملات کی طرف لوٹتا ہے یا صرف آخری جملہ جو ﴿ھم الفاسقون﴾ ہے اس کی طرف لوٹتا ہے اس میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ استثناء کا ظہور صرف جملہ اخیر کی طرف لوٹتا ہے۔ ۲۔ استثناء کا ظہور تمام جملات کی طرف ہے۔ ۳۔ استثناء کا ظہور کسی جملے میں بھی نہیں لوٹتا لیکن کلام میں قدر متیقن جملہ اخیر ہے کیونکہ اس سے پہلے والے جملات مجمل ہیں اس کے لئے قرینے کی ضرورت ہے۔

۴۔ مرحومِ مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمام جملات کا موضوع کلام ایک ہو اور تکرار بھی نہ ہو تو یہ استثناء تمام جملات کی طرف لوٹے گا ہاں! اگر ہر ایک جملے کا موضوع تکرار ہو مثل مذکورہ آیت شریفہ کے تو خواہ ان تمام جملات کا موضوع ایک ہی کیوں نہ ہو تب بھی استثناء صرف جملہ اخیر کا ہوگا۔

مصنف ؒ یہ دلیل ذکر کرتے ہیں کہ تمام جملات کا موضوع اگر ایک ہو تو یہ استثناء مثل ایسے ہے کہ اس کا ذکر خود اس جملے میں موجود سمجھا جاتا ہے اس کو کلام سے کوئی علیحدہ استثناء نہیں سمجھا جاتا مثلاً ﴿احسن الی الناس و احترهم و اقض حوائجهم الا لفاسقین﴾ تو یہ استثناء تمام جملات کے لئے ہوگا۔ ہاں! اگر تمام جملات کا موضوع ایک ہو یا ایک نہ ہو بلکہ موضوع ان جملات میں تکراری ہو تو یہ استثناء مثل ایسے ہے کہ مستقل طور پر کلام میں ذکر ہوا ہو تب اس صورت میں یہ استثناء فقط جملہ اخیر کی طرف لوٹے گا مگر یہ کہ اس استثناء کو تمام جملات کی طرف لوٹنے کے لئے کوئی قرینہ کلام میں موجود ہو۔

سوال: ۱۸۸۔ کیا عام کی تخصیص اس کے مفہوم سے ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر تخصیص ہو سکتی ہے تو کیا وہ حجت ہے؟

جواب: ۱۸۸۔ ہاں اگر عام کی تخصیص مفہوم موافق کے ذریعے ہو تو حجت ہے۔ مثلاً ﴿اوفوا بالعقود﴾ (سورہ المائدہ/۱) یہ ہر عقد کو شامل ہے اگر تخصیص مفہوم مخالف کے ذریعے ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

مرحوم مصنف ؒ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر مفہوم مخالف لفظ عام سے اخص ہو تو یہ قرینہ ہوگا کہ اس لفظ عام کو تخصیص دی گئی ہے پس ہمیشہ قرینہ (مفہوم مخالف) ذوالقرینہ (عام) پر مقدم ہوتا ہے۔ مثلاً آیت شریفہ ﴿ان الظن لا یغنی من الحق شئیا﴾ یہ عام ہے اور اس کی دلالت تمام ظنون کی حجیت کو ساقط کرتی ہے لیکن مفہوم مخالف آیت شریفہ نباء ﴿ان جائکم فاسق بنباء ...﴾ یہ ہے کہ خبر عادل سے جو ظن حاصل ہوتا ہے وہ حجت ہے تو کیا یہ مفہوم مخالف عام کے منطوق کو تخصیص دے سکتا ہے اگر تخصیص دے دے تو حجت ہے۔

سوال: ۱۸۹۔ مفہوم مخالف سے لفظ عام کے منطوق کی تخصیص میں جو اختلاف ہے وہ کہاں ہے اور اس میں کتنے اقوال ہیں؟

جواب: ۱۸۹۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا ظہور، ظہور منطوق اور مفہوم موافق کے ظہور سے ضعیف ہے لہٰذا وہ مفہوم مخالف ان کو تخصیص نہیں دے سکتا۔

اور اس میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ (۱) عام مفہوم مخالف سے مقدم اور اقوی ہے اسی وجہ سے مفہوم مخالف اس عام کو تخصیص نہیں دے سکتا (۲) خود لفظ عام کا مفہوم مفہوم مخالف میں سے ہے یہ دونوں ایک دوسرے پر مقدم نہیں ہو سکتے

کیونکہ کلام مجمل ہو جاتی ہے (۳) مرحوم مصنفؒ کے نزدیک مفہوم مخالف لفظ عام پر مقدم ہے اور لفظ عام کو تخصیص دے سکتا ہے کیونکہ مفہوم مخالف عام کے منطوق سے اخص ہے اور یہ مفہوم مخالف لفظ عام کو تخصیص دینے کے لئے قرینہ ہے اور خود قرینہ کا ذوالقرینہ کے ظہور سے اقوی ہونا معتبر نہیں ہے اسی وجہ سے مفہوم مخالف لفظ عام کو تخصیص دے سکتا ہے۔

سوال: ۱۹۰۔ عام وخاص اپنی تاریخ صدور کی نسبت سے کتنی حالتیں رکھتے ہیں؟

جواب: ۱۹۰- ان میں پانچ صورتیں ممکن ہیں

۱۔ اگر عام وخاص کی تاریخ معلوم ہو اور ان کے تقارن کا سبب جو دونوں میں ہے وہ بھی معلوم ہو تو اس صورت میں نسخ واقع نہیں ہوگی یعنی خاص عام پر مقدم ہوگا اور عام کے لئے مخصص ہوگا۔

۲۔ اور اگر دونوں کی تاریخ معلوم ہو اور حکم عام حکم خاص پر مقدم ہو تو یہ دو صورتوں میں متصور ہو سکتا ہے (الف) حکم عام پر عمل پیدا ہونے سے پہلے اگر حکم خاص آجائے تو یہ عام کے لئے مخصِّص ہوگا (ب) اگر حکم خاص حکم عام پر عمل کرنے کے بعد وارد ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اقوی قول یہ ہے کہ تب بھی خاص عام کے لئے مخصِّص ہوگا کیونکہ لفظ عام کا ظہور اسی میں ہے کہ مولا نے لفظ عام سے عموم کا ارادہ کیا ہے لیکن لفظ عام یہ ثابت نہیں کرتا کہ حکم واقعی بھی عموم ہے علاوہ اس کے شارع مقدس کا طریقہ عموماً یہی ہے کہ خاص کو عام کے لئے مخصِّص بنا کر ذکر کرتا ہے نہ عام کے لئے ناسخ بنا کر۔

۳۔ اگر دونوں کی تاریخ معلوم ہو اور حکم خاص عام پر مقدم ذکر ہوا ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں (الف) اگر خاص پر عمل کرنے سے پہلے ہی عام آیا ہے تو اس صورت میں خاص عام کے لئے مخصِّص ہوگا (ب) اگر خاص پر عمل کرنے کے بعد لفظ عام آیا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی تخصیص فرض کریں گے کیونکہ یہ بیان کر چکے ہیں کہ شارع مقدس کو عموماً خاص کو ذکر کر کے لفظ عام کو تخصیص دینا ہوتی ہے ۔

۴و۵۔ ہاں اگر دونوں کی تاریخ معلوم نہ ہو یا ایک کی تاریخ معلوم نہ ہو تو اس صورت میں بھی تخصیص پر حمل کریں گے۔

سوال: ۱۹۱۔ کیا قرآن مجید کو خبر واحد سے تخصیص دی جاسکتی ہے؟

جواب: ۱۹۱۔ مرحوم مصنفؒ کے نظریہ کے علاوہ یہ اتفاقی بات ہے کہ قرآن مجید میں عمومات اور اطلاقات ذکر ہوئے ہیں، اور احادیث رسالت مآبؐ ان عمومات واطلاقات کے لئے قرینہ ہے اور ان احادیث کے ذریعے ان عمومات و اطلاقات کو تخصیص دی جاسکتی ہے کیونکہ لسان لفظ خاص لفظ عام ومطلق قرآنی کے لئے تفسیر وتبین کا کام دیتی ہے۔

﴿الباب السادس- المطلق و المقيد﴾

٦ – مسائل

١ –معنى مطلق و مقيد

٢ – الاطلاق والتقيد متلًا زمان

٣– الاطلاق فى الجمل

٤ – هل الاطلاق بالوضع– اعتبارات الماهية– اعتبارات الماهية عند الحكم عليها– الاقوال فى المسالة

٥– مقدمات الحكمة– القدر المتقين فى مقام التخاطب– الانصراف

٦ – المطلق والمقيد المتنافيان

(باب ۶: مطلق ومقید)

سوال: ۱۹۲۔ باب مطلق ومقید میں کن مسائل سے گفتگو ہوگی؟

جواب: ۱۹۲۔ (۱) تعریف مطلق ومقید (۲) اطلاق وتقید کے درمیان تلازم (۳) جملات میں اطلاق (۴) کیا اطلاق وضع سے سمجھا جاتا ہے (۵) مقدمات حکمت کون سے ہیں (۶) کیا مطلق ومقید متنافیان ہیں۔

سوال: ۱۹۳۔ مطلق ومقید کی تعریف کریں؟

جواب: ۱۹۳۔ "**المطلق ما دل علی معنی شائع فی جنسه**" لفظ مطلق معنی واحوال کی نسبت سے وسعت رکھتا ہے لیکن لفظ عام اور نکرہ جو سیاق نفی میں ہو وہ بھی اپنے افراد میں وسعت رکھتا ہے اور اپنے مدمقابل افراد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور اطلاق دو قسموں پر ہے "اطلاق افرادی اور اطلاق احوالی" (اطلاق افرادی) اپنے معنی کی نسبت سے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے لیکن لفظ عام اپنے لفظ کی وضع کی نسبت سے اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے (اطلاق احوالی) میں افراد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک فرد کا مختلف احوال سے ہونا بھی اطلاق احوالی کہلاتا ہے لیکن مقید اس کے برعکس ہے جو اپنی جنس کے تمام افراد کو شامل نہ ہو اس لفظ کو مقید کہتے ہیں۔

سوال: ۱۹۴۔ اطلاق اور تقید کا آپس میں کونسا رابطہ ہے؟

جواب: ۱۹۴۔ اطلاق وتقید مقام اثبات میں آپس میں نقیضین کی نسبت رکھتے ہیں لیکن مقام ثبوت میں ملکہ اور عدم ملکہ کی نسبت ہے کیونکہ جہاں اطلاق ممکن ہوگا وہاں تقید ممکن ہوگی اور جہاں تقید ممکن نہ ہو وہاں اطلاق بھی ممکن نہیں یہ مقام ثبوت کی بات ہے لیکن مقام اثبات میں شارع مقدس سے یہ ممکن نہیں ہے کہ دونوں کو اکٹھا مراد لے کیونکہ یہ محال ہے مثلاً ﴿اقیموا الصلاۃ﴾ سے قصد اُمر بھی ہو اور عدم القصد اُمر بھی ہو کیونکہ واقع اور حقیقت میں صرف ایک کا ارادہ کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے مقام اثبات میں مطلق ومقید حکم نقیضین رکھتے ہیں۔

سوال: ۱۹۵۔ کیا اطلاق وضع کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے؟

جواب: ۱۹۵۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اطلاق اعلام شخصی میں وضع کی نسبت سے نہیں ہے بلکہ فقط مقدمات حکمت کی وجہ سے یہ اطلاق حاصل ہوتا ہے لیکن اسماء اجناس میں دو قول ہیں (الف) اسماء اجناس میں اطلاق بسبب وضع ہے یعنی واضع نے اسماء اجناس کو معنی مطلق کے لئے وضع کیا ہے (ب) اسماء اجناس کا موضوع لہ ذات وماہیت ہے جس کو ذات مہملہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ توجہ کئے بغیر کہ اس کے ساتھ قید ہے یا نہیں پس یہ اطلاق مقدمات حکمت کی وجہ سے سمجھا جائے گا

سلطان العلماء اور مشہور علماء اور مرحوم مظفر کا نظریہ بھی یہی ہے۔

سوال:۱۹۶۔ ماہیت کتنی صورتیں رکھتی ہے ان سب کی وضاحت کریں؟

جواب:۱۹۶۔ جب ماہیت کو ذات سے خارج فرض کریں تو اس کی تین صورتیں ہیں (الف) ماہیت کو امر خارجی کے ساتھ اگر مشروط فرض کریں تو اس کو ماہیت بشرط شئی کہتے ہیں مثلاً (اعتق رقبة مومنة) یہاں عبد کے ساتھ مومن کی شرط ہے یعنی یہاں ماہیت عبد شرط مومنہ کے ساتھ مشروط ہے۔

(ب) ذات ماہیت شرط خارجی کے نہ ہونے پر اگر مشروط ہو تو اس کو (ماہیت بشرط لا) کہتے ہیں کبھی اسی کو ماہیت بشرط لاشئی بھی کہا جاتا ہے دونوں سے مراد ایک ہی ہے مثلاً جس شخص کا سفر گناہ کے کام کا نہ ہو تو اس پر نماز قصر ہے تو یہاں شرط ہے کہ نماز قصر کے لئے سفر گناہ کا نہیں ہونا چاہئے۔

(ج) ذات ماہیت کو، یہ توجہ کئے ہوئے بغیر کہ امر خارج کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں تو اس کو ماہیت لابشرط کہا جاتا ہے مثلاً انسان پر نماز واجب ہے خواہ غلام ہو یا آزاد ہو اس کو لابشرط قسمی بھی کہتے ہیں کیونکہ اپنے مذکورہ (یعنی بشرط شئی اور بشرط لا) کے مقابلے میں ہے۔

سوال:۱۹۷۔ کیا جملات میں بھی مفرد کی طرح اطلاق کا معنیٰ پایا جاتا ہے؟

جواب:۱۹۷۔ جملات میں بھی مفرد کی طرح اطلاق کا معنی موجود ہے مثلاً صیغہ افعل کا اطلاق وجوب عینی میں ہے یا تعیینی میں ہے اسی طرح جملات شرطیہ کا اطلاق انحصاری ہونے میں ہے لیکن جملات میں کوئی ضابطہ کلی نہیں ہے اس وجہ سے ان میں بحث نہیں ہوتی اگر چہ ان جملات میں معنی اطلاق مفرد کی طرف مقدمات حکمت سے سمجھا جاتا ہے۔

سوال:۱۹۸۔ مقدمات حکمت کتنے ہیں ان کو ذکر کریں؟

جواب:۱۹۸۔ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ الفاظ مطلق کا موضوع ذات المعانی ہیں اب ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ان الفاظ مطلق سے متکلم کا مقصود بھی اطلاق معنی ہے (خواہ وہ اطلاق افرادی ہو یا احوالی) اور اس کو اثبات کرنا قرینہ کا محتاج ہے اور ہر قرینہ عامہ میں ایک امر اور تین مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ ظہور عرفی اس معنی اطلاقی میں ثابت ہو سکے یہ مقدمات حکمت کہلاتے ہیں اور ان مقدمات حکمت کے بنیادی ارکان تین ہیں۔

(الف) جس میں مقدمات حکمت ہوں اس میں اطلاق اور تقیید کا امکان ہونا چاہئے یعنی حکم میں یہ صلاحیت ہو کہ اس کا موضوع یا اس کا متعلق موضوع اس حکم سے تعلق رکھنے سے پہلے مطلق و مقید میں تقسیم ہو سکتا ہو ورنہ قاعدة اصالة

الاطلاق اس میں جاری نہیں ہو سکے گا۔

(ب) اس جملہ میں ایسا قرینہ نہ ہو جو مقید ہونے پر دلالت کرے خواہ وہ قرینہ متصل ہو یا منفصل اور قرینہ متصل کے ہوتے ہوئے اصلاً اطلاق کا ظہور نہیں آسکتا اور اگر قرینہ منفصل ہو تو اس میں بدوی و ابتدائی طور پر اطلاق کا معنی آئے گا لیکن چونکہ قرینہ اقوی الحجتین کہلاتا ہے یہ قرینہ جو مقید کا کلام میں ذکر ہوا ہے وہ مطلق کو اپنے اطلاق کے معنی سے ساقط کر دے گا۔

(ج) متکلم جب کلام کو بیان کر رہا ہو تو اس کا مقام بیان میں ہونا چاہئے یعنی وہ اپنے مقصود کو بتلانا چاہتا ہو اور اس کا مقصود حکم کی تشریع ہو اور وہ اہمال و اجمال گوئی میں نہ ہو بلکہ اس کی غرض امتثال مکلّف ہو ورنہ اگر متکلم کی مراد کو تشخیص دینے میں اگر شک ہو جائے کہ متکلم مقام بیان میں تھا یا نہیں تو اس صورت میں قاعدۃ اصالۃ الاطلاق جاری نہیں کر سکتے۔

سوال: ۱۹۹۔ مرحوم آخوندؒ نے مقدمات حکمت میں کون سے چوتھے مقدمہ کا اضافہ کیا ہے اور مرحوم مصنفؒ کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۱۹۹۔ مرحوم مصنفؒ نے مقدمات حکمت میں اس بات کا اضافہ فرمایا ہے کہ مولا اور عبد کے درمیان جو کلام ہوئی ہے اس میں اگر قدر متیقن نہ ہو مثلاً مولا یہ کہے "اشتر الحم" یہاں کلام میں مطلق گوشت کو ذکر کیا ہے لیکن مولا کی گوشت سے مراد بکری کا گوشت ہو جو مخاطب کو پہلے سے معلوم ہو تو اس جملے کا اطلاق میں ظہور نہیں ہوگا مصنفؒ نے اس کی تائید کی ہے لیکن مرحوم نائینیؒ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔

سوال: ۲۰۰۔ اگر شک ہو کہ متکلم مقام بیان میں ہے یا اجمال و اہمال میں تو یہاں قاعدہ قانون کیا ہے؟

جواب: ۲۰۰۔ یہاں اصل عقلائی یہ ہے کہ متکلم مقام بیان میں ہے اسی طرح اگر کلام میں مقید ہونے کی صلاحیت ہو اور متکلم عاقل اس مطلق کلام کو مقید نہ کرے تو اس کلام کا ظہور اطلاق میں ہوگا۔

سوال: ۲۰۱۔ انصراف کی تعریف کریں؟

جواب: ۲۰۱۔ انصراف اس کو کہتے ہیں کہ لفظ مطلق کے سننے سے اس کے معانی میں سے ایک معنی (فردی یا صنفی) ذہن میں آئے نہ وہ اصلی معنی جو لفظ اطلاق اپنے اندر رکھتا ہے تو یہ ایک معنی کی طرف انصراف لفظ مطلق کو اپنے اطلاق کے معنی میں استعمال ہونے سے منع کرتا ہے جیسے وضوء میں مسح کرنے کا انصراف ہاتھ کی ہتھیلی پر آتا ہے اس کو انصراف ظہوری کہتے ہیں یہ ایسے ہے کہ لفظ مطلق کا ظہور خود معنی مقید میں ہوتا ہے اگر لفظ مطلق کا انصراف بدوی ہو تو وہ حجت نہیں ہے تو اگر

اس میں شک ہو کہ یہاں معنی مطلق مراد ہے یا معنی مقید مراد ہے تو قاعدۃ اصالۃ الاطلاق جاری کر سکتے ہیں لیکن انصراف ظہوری و بدوی کی تشخیص میں انسان کے لئے علم لغت پر عبور حاصل کرنا لازمی ہے۔

سوال: ۲۰۲۔ کیا لفظ مطلق کا ایک معنی میں انصراف ہونا اطلاق کے اصلی معنی کو حاصل کرنے سے روکتا ہے؟

جواب: ۲۰۲۔ مشہور علماء کا نظریہ یہی ہے کہ لفظ مطلق کا ایک خاص معنی میں انصراف ہونا لفظ مطلق کو اطلاق کے اصلی معنی حاصل کرنے سے روکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مقدمات حکمت کا کلام میں ہونا ضروری ہے اور مرحوم مصنفؒ انصراف کی دو قسمیں کرتے ہیں۔

(الف) مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر معنی کی طرف انصراف خود لفظ مقید سے ہو یعنی یہ لفظ معنی مقید میں اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہو کہ متکلم کے بولنے سے وہی معنی سمجھ میں آتا ہو تو اس صورت میں یہ انصراف ظہوری کہلاتا ہے اور حجت ہے اور اطلاق کے اصلی معنی سے تمسک کرنے سے مانع ہے کیونکہ یہ قرینہ ہو جاتا ہے کہ لفظ سے معنی مقید ہی مراد ہے۔

(ب) اگر معنی مقید میں انصراف لفظ سے ظاہر نہ ہو بلکہ کسی سبب خارجی کی وجہ سے اس معنی مقید میں انصراف حاصل ہو جائے یعنی لفظ کا استعمال عموم میں ہو لیکن کثرت استعمال کے سبب یہ مخصوص معنی انصرافی ذہن میں حاصل ہو جائے تو اس صورت میں یہ انصراف حجت نہیں ہے اور یہ انصراف اطلاق اصلی معنی سے تمسک کرنے میں مانع نہیں ہوگا کیونکہ یہ انصراف بدوی و ابتدائی ہے۔

سوال: ۲۰۳۔ مطلق و مقید متنافیان ہیں اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ۲۰۳۔ کیونکہ مطلق کا ظہور اطلاق میں ہوتا ہے اور مقید کا ظہور قید اور معنی خاص میں ہوتا ہے دونوں کے ظہور میں تنافی ہونے کے سبب ان کو متنافیان کہا جاتا ہے۔

سوال: ۲۰۴۔ مطلق و مقید میں کب تنافی وجود میں آتی ہے؟

جواب: ۲۰۴۔ مطلق و مقید کے درمیان تنافی اس وقت ہوگی جب دونوں میں جو حکم شرعی بیان ہو رہا ہے وہ ایک ہی ہو اگر مطلق کا حکم مقید کے حکم سے مختلف ہو مثلاً مطلق میں وجوب کا حکم ہے اور مقید میں استحباب کا حکم ہو تو اس صورت میں ان کے درمیان کوئی تنافی نہیں ہوگی اسی طرح الفاظوں سے اگر مختلف احکام شرعیہ کہ سمجھا جائے تب بھی احکام میں تنافی نہیں ہوگی۔

سوال: ۲۰۵۔ اگر لفظ مطلق اور لفظ مقید میں اختلاف اسی طرح کا ہو کہ ایک حکم شرعی کے ثبوت پر دلالت کرے اور

دوسرا حکم شرعی کی نفی پر دلالت کرے تو کس کو مقدم کریں گے؟

جواب:۲۰۵۔اس صورت میں مقید کو مطلق پر مقدم کریں گے کیونکہ یہاں مقید کو مطلق کے لئے قرینہ سمجھا جاتا ہے اور قرینہ اقوی الجنبین ہے۔

سوال:۲۰۶۔اگر لفظ مطلق ومقید میں اتفاق ہو خواہ حکم شرعی کے ثبوت میں ہو یا نفی میں ہو تو کس کو مقدم کریں گے؟

جواب:۲۰۶۔اس میں دو صورتیں ہیں۔

(الف) اگر اطلاق بدلی ہو تو مقید کو مقدم کریں گے اور اطلاق میں تصرف کریں گے مشہور بھی یہی ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کریں گے مثلاً پہلے حکم آیا ہو "اعتق رقبة" بعد میں دوسرا حکم آئے "اعتق رقبة مؤمنة" تو پہلے حکم سے مراد بھی دوسرا حکم مقید والا ہوگا۔

(ب) اگر اطلاق شمولی ہو تو اس صورت میں مطلق ومقید میں تنافی واقع نہیں ہوتی پس کسی میں بھی تصرف کرنا معنی نہیں رکھتا مثلاً حکم آئے (فی الغنم زکاة) بعد میں دوسرا حکم آئے (فی الغنم السائمة زکاة) ان دونوں (مقید و مطلق) میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ حکم مطلق باقی رہے گا یعنی غنم سائمہ ہو یا معلوفہ دونوں پر زکاۃ ہوگی مگر یہ کہ ہم مفہوم وصف کے قائل ہو جائیں اور کہیں کہ وصف مفہوم رکھتا ہے تو اس صورت میں غنم معلوفہ پر زکاۃ نہیں ہوگی یہ دوسرا حکم اطلاق بدلی کہلاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

الباب السابع — المجمل والمبین

۲— مسائل

۱— معنی المجمل والمبین

۲— المواضع التی وقع الشک فی اجمالہا

(باب ہفتم: مجمل ومقید)

سوال:۲۰۷۔باب مجمل ومقید میں کن امور سے گفتگو ہوگی؟

جواب:۲۰۷۔ا۔دو چیزوں میں گفتگو ہوگی مجمل ومبین کی تعریف۔۲۔ایسے مقامات جن کے اجمال میں شک واقع ہوتا ہے ان سے گفتگو ہوگی۔

سوال:۲۰۸۔مجمل ومبین کی تعریف کریں؟

جواب:۲۰۸۔فعل ہو یا اسم اس لفظ کا معنی ومقصود واضح وروشن نہ ہو تو اس کو مجمل کہتے ہیں اصطلاح میں "ما لم تتضح دلالته" کہا جاتا ہے مبین اس کے برعکس ہے یعنی جس فعل واسم کی دلالت اور معنی روشن ہو۔

سوال:۲۰۹۔لفظ میں اجمال ہونے کے کیا وجوہات ہیں؟

جواب:۲۰۹۔جیسا کہ المنطق باب مغالطہ میں ذکر ہوا ہے۔اگر چہ اجمال کے اسباب بہت زیادہ ہیں لیکن کچھ کو یہاں ذکر کرتے ہیں (۱) اگر لفظ میں اشتراک لفظی ہو تو مجمل ہوتا ہے کیونکہ یہ قرینہ معینہ سے فاقد ہوتا ہے (۲) لفظ مجازاً استعمال ہونے کی وجہ سے مخاطب کے لئے مجہول اور مجمل ہو جاتا ہے (۳) کبھی کلام قرینہ کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن قرینہ نہیں لایا جاتا (۴) کبھی اہمال واجمال مطلوب متکلم ہوتا ہے تو یہ سب اجمال کا سبب بنتے ہیں۔

سوال:۲۱۰۔کون سے ایسے موارد ہیں جن کے اجمال میں شک ہوتا ہے؟

جواب:۲۱۰۔مصنفؒ نے تین موارد کو ذکر فرمایا ہے (۱) سورہ مائدہ آیت ۳۸/﴿السارق و السارقة فقطوا أيديهما﴾

ترجمہ: چور مرد ہو یا عورت ان دونوں کا ہاتھ قلم کردو یہاں بعض علماء قائل ہیں کہ لفظ (قطع) میں اجمال ہے اور بعض علماء خود آیت شریفہ کو مجمل ومتشابہ کہتے ہیں کیونکہ لفظ (قطع) جدا کرنا اور مجروح کر کے قلم کرنا دونوں کے معنی میں آتا ہے لیکن بعض علماء قائل ہیں کہ لفظ (ید) میں اجمال ہے کیونکہ انگلیوں سے لے کر کلائی، کہنی اور پورے ہاتھ پر بھی صادق آتا ہے پس اجمال اس میں ہے کہ کون سا معنی آیت میں مراد لیا گیا ہے۔

الجزء الثانى

المقصد الثانى – الملازمات العقلية

تمهيد وفيه بيان امرين

١ – اقسام الدليل العقلى

٢ – لماذا سميت هذه المباحث بالملازمات العقلية؟

(الباب الاول – المستقلات العقلية)

تمهيد

المبحث الاول: التحسين والتقبيح العقليان

١ – معنى الحسن والقبح وتصوير النزاع فيهما

٢ – واقعية الحسن والقبح فى معانيه ورأى الاشاعرة

٣ – العقل العملى والنظرى

٤ – اسباب حكم العقل العملى بالحسن والقبح

٥ – معنى الحسن والقبح الذاتيين

٦ – ادلة الطرفين

المحبث الثانى ادراك العقل الحسن والقبح

المبحث الثالث: ثبوت الملازمة العقلية بين حكم العقل وحكم الشرع

(مقصد دوم: ملازمات عقلیہ)

سوال:۲۱۱۔ملازمات عقلیہ میں کونسی چیزیں مورد بحث واقع ہوتی ہیں ان کو وضاحت سے بیان کریں؟

جواب:۲۱۱۔ملازمات عقلیہ میں دو چیزیں مورد بحث واقع ہوتی ہیں:

ا۔جب عقل کسی شئی کے بارے میں حکم کرے تو کیا شریعت اس کے بارے میں بھی وہی حکم دیتی ہے کہ مثلاً اس کا انجام دینا اچھا ہے یا ضروری ہے تو کیا اس حکم عقلی سے حکم شرعی ثابت ہوجاتا ہے یعنی حکم عقل سے حکم شرعی کشف ہوجاتا ہے یا نہیں۔

۲۔ملازمات عقلیہ میں یہ بحث ہوگی کہ عقل یہ تشخیص دے سکتا ہے کہ یہ کام شریعت کے مطابق بھی اچھا ہے یا شریعت کے مطابق اس کو انجام دینا یا ترک کرنا ضروری ہے یا نہیں دوسرے لفظوں میں اگر عقل کسی شئی کے بارے میں حسن وقبح ہونے کو درک کرلے تو کیا حکم عقل کو شریعت قبول کرتی ہے یا نہیں، ملازمات عقلیہ کی دوسری گفتگو اسی میں ہوگی۔

سوال:۲۱۲۔دلیل عقلی کی کتنی قسمیں ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب:۲۱۲۔دلیل عقلی کی دو قسمیں ہیں۔ا)مستقلات عقلیہ۔۲)مستقلات غیر عقلیہ

ا۔اگر قیاس منطقی جس سے استنباط حکم شرعی میں استدلال کیا جاتا ہے اس کے دونوں مقدمے(صغریٰ وکبریٰ) عقلی ہوں۔مثلاً عقل حکم کرے عدل کرنا اچھا ہے "العد ل حسن بحکم العقل"(صغریٰ)"کل ما حکم به العقل حکم به الشرع"(کبریٰ)تو اس صورت کو مستقلات عقلیہ کہا جاتا ہے اس کا نتیجہ " فالعدل حسن بحکم الشرع"

۲۔اگر قیاس استدلالی کے دو مقدموں میں سے ایک مقدمہ شرعی ہو اور دوسرا مقدمہ عقلی ہو تو اس کو غیر مستقلات عقلیہ کہا جاتا ہے اس کو غیر مستقلات کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کا ایک مقدمہ غیر عقلی ہے مثلاً حج کو شریعت نے واجب قرار دیا ہے اور اس کے مقدمات کو عقل کہتا ہے کہ حتماً بجالاؤ وگرنہ اس کے بغیر حج انجام دینا ممکن نہیں ہے اگر صغریٰ وکبریٰ دونوں شرعی ہوں تو اس کو دلیل شرعی کہتے ہیں مثلاً "الصلاۃ واجبة بحکم الشرع" (صغریٰ)"کل واجب بحکم العقل واجبة شرعاً"(کبریٰ)"الصلاۃ بحکم العقل واجبة شرعاً"

سوال:۲۱۳۔ملازمات عقلیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:۲۱۳۔ملازمات عقلیہ سے مراد وہ ملازمہ وارتباط ہے جو حکم شرع اور کسی اور حکم کے درمیان ہو خواہ وہ حکم

عقلی ہو یا حکم شرعی ہو مثلاً اضطراری حکم (نماز کے لئے تیمّم) کے انجام دینے سے امر اختیاری (نماز کے وضوء) ساقط ہو جاتا ہے۔

ملازمات عقلیہ میں کبریٰ عقلی کے اثبات میں گفتگو کی جاتی ہے جو حکم شرعی کے ثابت کرنے کے کام آتا ہے اس کی گفتگو علم اصول میں ہوتی ہے۔ لیکن اس قیاس منطقی کی صغریٰ علم الکلام میں مورد بحث واقع ہوتی ہے مثلاً "العدل حسن"

(باب اوّل: مستقلات عقلیہ)

سوال: ۲۱۴۔ مستقلات عقلیہ کی بحث کتنی مسائل پر منحصر ہے؟

جواب: ۲۱۴۔ مستقلات عقلیہ سے ظاہری طور پر مراد وہ مستقلات عقلیہ ہیں جن سے حکم شرعی کو کشف کیا جاتا ہے وہ صرف ایک ہی مسئلہ ہے (یعنی حسن و قبح عقلی) مثلاً عقل مستقل طور پر کچھ افعال کو کشف کرتا ہے جیسے ظلم قبیح ہے سخاوت کرنا اچھی چیز ہے لیکن اس باب میں چار مسائل پر گفتگو کی گئی ہے (۱) مقدمہ (۲) حسن و قبح عقلی (۳) حسن و قبح کا ادراک عقل کے ذریعے (۴) حکم شرع اور حکم عقل کے درمیان ملازمہ

سوال: ۲۱۵۔ حسن و قبح عقلی کے بارے میں اشاعرہ اور عدلیہ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۱۵۔ اشاعرہ کا عقیدہ ہے کہ حسن و قبح شارع مقدس کے ہاتھ میں ہے جس کو شارع اچھا کہے وہ اچھا ہے جس کو شارع قبیح کہے وہ قبیح ہے عقل شریعت کے حکم کے بعد حکم کرتا ہے یعنی عقل شریعت کے تابع ہے جیسے بعض اوقات شارع نسخ کے ذریعے حرام شئی کو وجوبی طور پر بجالانے کا حکم دے سکتا ہے اسی طرح واجب کو نسخ کر کے حرام قرار دے سکتا ہے اسی طرح شارع قبیح شئی کو اچھا اور اچھی شئی کو برا بھی کہہ سکتا ہے۔

علماء امامیہ کا نظریہ ہے کہ عقل کے نزدیک افعال کی ذاتی طور پر قدر و قیمت ہے بعض افعال ذاتی طور پر بُرے ہیں بعض ذاتی طور پر اچھے ہیں خواہ شریعت اس کے بارے میں حکم لگائے یا نہ لگائے اور بعض افعال ایسے ہیں کہ نہ ہی بُرے ہیں اور نہ ہی اچھے ہیں اور شارع مقدس بُرے کاموں کو بُرا اور اچھے کاموں کو اچھا کہتا ہے مثلاً سچائی بذاتہ اچھی ہے اسی وجہ سے خداوند متعال نے سچ بولنے کا حکم دیا ہے نہ یہ کہ خدا نے حکم دیا ہے تب سچ بولنا اچھا ہو گیا ہے اسی طرح جھوٹ بولنا ذاتاً بُرا ہے اسی وجہ سے شارع مقدس نے اس کی قباحت کا حکم دیا ہے۔

سوال: ۲۱۶۔ حسن و قبح میں کن چیزوں سے بحث کی جائے گی؟

جواب: ۲۱۶۔ (۱) حسن و قبح کا معنی کیا ہے اور اس میں کیا اختلاف ہے (۲) حسن و قبح کے معانی واقعی اور اشاعرہ

کا نظریہ (۳) عقل عملی ونظری کیا ہے (۴) عقل عملی جو حسن وقبح کا حکم دیتا ہے اس کے اسباب کیا ہیں (۵) حسن وقبح ذاتی کا کیا معنی ہے (۶) ادلۃ الطرفین۔

سوال: ۲۱۷۔ مرحوم مظفرؒ کے نزدیک حسن وقبح کے کتنے معانی ہیں؟

جواب: ۲۱۷۔ تین معنی ہیں ۔ ۱۔ کمال ونقص ۔ ۲۔ طبعیت کے ساتھ ملائمت اور سازگاری اور طبعیت کے ساتھ منافرت اور ناپسندی۔ ۳۔ کبھی حسن وقبح کا معنی مدح وذم کا بھی ہے۔

سوال: ۲۱۸۔ عقل کی کتنی قسمیں ہیں ان کی تعریف کریں؟

جواب: ۲۱۸۔ عقل کی دو قسمیں ہیں ۔ ۱۔ عقل عملی ۔ ۲۔ عقل نظری۔

عقل عملی: وہ عقل ہے جو چیزوں کو درک کرنے کے بعد اس کو انجام دینے یا ترک کرنے کا حکم دے اگر ایسی چیزیں ہوں جن کو فقط پہچانا اور سمجھا جائے ان چیزوں کا عمل کے ساتھ کوئی ارتباط نہ ہو تو اس کو عقل نظری کہتے ہیں مثلاً "الکل اعظم من الجزء"

عقل عملی اور عقل نظری میں فرق صرف مدرکات ہی کی وجہ سے ہے اگر اشیاء عملی کو درک کرے تو وہ عقل عملی ہے اگر اشیاء غیر عملی کو درک کرے تو وہ عقل نظری ہے۔

سوال: ۲۱۹۔ مرحوم مظفرؒ کا حسن وقبح عقلی کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۱۹۔ مرحوم فرماتے ہیں حسن وقبح شرعی کو عقلی طور پر اثبات کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس شئی میں ذاتی طور پر حسن وقبح موجود ہو اگر حسن وقبح شرعی کا ثبوت دوسرے حسن وقبح شرعی پر موقوف ہو تو تسلسل لازم آتا ہے جو محال ہے۔

سوال: ۲۲۰۔ حسن وقبح اگر مدح وذم کے معنی میں ہوں تو اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ۲۲۰۔ حسن وقبح مدح وذم کے معنی میں تین قسموں پر مشتمل ہیں (۱) جو حسن وقبح علت کے معنی میں ہے اس کو حسن وقبح ذاتی کہا جاتا ہے۔ مثلاً، عدل، ظلم، علم، جہل۔

۲۔ وہ حسن وقبح جو مقتضی بنتا ہے اس کو حسن وقبح عرضی کہا جاتا ہے مثلاً دوست کی تعظیم وتحقیر کرنا۔

۳۔ وہ جو خود بخود عنوان حسن وقبح کے ساتھ متصف ہوتا ہے نہ ہی اس کے لئے علت ہے اور نہ ہی اس کے لئے اقتضاء ہے اسی وجہ سے وہ عمل نہ ہی حسن ہے اور نہ ہی قبیح ہے۔ مثلاً تادیب کرنے کے لئے مارنا اچھی بات ہے لیکن انتقام

کے لئے مارنا بُرا ہے اسی طرح بے جان شئی کو مارنا نہ ہی اچھا ہے اور نہ ہی بُرا ہے۔

سوال:۲۲۱۔کیا حکم شرعی اور عقلی کے درمیان ملازمہ ہے؟

جواب:۲۲۱۔مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں(الحق ان الملازمة ثابتة عقلاً)حق یہ ہے کہ عقل وشرع کے درمیان ملازمہ موجود ہے کیونکہ اگر عقل نے کسی شئی کے بارے میں حسن وقبح فعلی کا حکم دے دیا تو شارع بھی ناگزیر ہے کہ اس کے حسن وقبح شرعی کا حکم کرے کیونکہ شارع بھی عقلاً میں سے ہے بلکہ رئیس عقلاً ہے حالانکہ وہ تو خالق عقل ہے اسی وجہ سے جو تمام عقلاً حکم کرتے ہیں شارع بھی اسی کا حکم کرے گا پس حسن وقبح عقلی شرعی بھی ہے۔

سوال:۲۲۲۔اگر حکم عقل کے مورد میں شارع کی طرف سے بھی حکم آجائے تو کیا یہ حکم، حکم مولوی ہے یا ارشادی ہے؟

جواب:۲۲۲۔مستقلات عقلیہ کے بارے میں اگرچہ اختلاف ہے ۔مثلاً ﴿أطیعوا الله و اطیعو ا الرسول﴾ اس میں عقل بھی حکم کرتا ہے اور عقل مستقل طور پر ان افعال کے حسن کا حکم لگاتا ہے یعنی عقل کہتا ہے اپنے مولا و آقا کی اطاعت کرو اس وجہ سے یہ احکام ہمیشہ احکام ارشادی کہلائیں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿الباب الثانی: غیر المستقلات عقلیة﴾

وفیه مسائل خمس

(المسالة الاولی— الاجزاء) وفی المسالة مقامان

المقام الاول — الاجزاء فی الامر الاضطراری

المقام الثانی— الاجزاء فی الامر الظاہری

تمہید...... ویعقد البحث فی ثلاث مسائل:

۱ — الاجزاء فی الامارۃ مع انکشاف الخطأ یقینا

۲— الاجزاء فی الاصل مع انکشاف الخطأ یقینا

۳— الاجزاء فی الامارات والاصول مع انکشاف الخطا بحجة معتبرۃ

باب دوم (غیر مستقلات عقلیہ)

سوال:۲۲۳۔غیر مستقلات کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور اس میں کن مسائل سے گفتگو ہوتی ہے؟

جواب:۲۲۳۔کیونکہ اس بارے میں حکم شرعی تک پہنچنے کے لئے فقط دلیل عقلی کافی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک حکم شرعی سے بھی مدد لی جاتی ہے اور اس بحث میں حکم عقلی وہی ملازمہ عقلیہ ہے جو استنباط کے عمل میں کبریٰ قیاس واقع ہوتا ہے اور اس باب میں پانچ چیزوں سے گفتگو ہوگی۔(۱) مسألۃ اجزاء (۲) مقدمہ واجب (۳) مسألۃ الضد (۴) اجتماع امر و نہی (۵) نہی کی دلالت فساد پر۔

سوال:۲۲۴۔اِجزاء کی تعریف کریں؟

جواب:۲۲۴۔اِجزاء لغت میں بے نیاز اور کفایت کرنے کے معنی میں آتا ہے لیکن اصطلاح اصولی میں متعلق اُمر مولیٰ کو اس طرح اتیان کرنا کہ دوبارہ بجالانے کی ضرورت نہ ہو اور اُمر مولیٰ ساقط ہو جائے کیونکہ دوبارہ معلول (مامور بہ) کا انجام دینا بغیر علت (دلیل) کے کہلاتا ہے۔

سوال:۲۲۵۔اِجزاء کی بحث میں کیا چیز مورد اختلاف ہے؟

جواب:۲۲۵۔مثلاً دو حکم شرعی ہوں ایک حکم واقعی ہو اور ایک حکم اضطراری و ظاہری ہو مکلّف کسی عذر شرعی کی وجہ سے حکم واقعی سے بے خبر ہو کر حکم اضطراری و ظاہری پر عمل پیرا ہو جائے جیسے پانی سے وضوء کرنا تھا اس نے سمجھا یہاں پانی نہیں تیمّم سے نماز پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ پانی موجود تھا تو کیا اس کو دوبارہ نماز ادا کرنا ہوگی یا پہلے والی نماز جو تیمم سے ادا کی تھی وہ کفایت کرے گی تو نزاع اس میں ہے کہ عقل حکم اضطراری و ظاہری کے بجالانے سے حکم واقعی سے مجزی ہونے کا حکم دیتا ہے اور کیا اس میں یہ ملازمہ موجود ہے کہ حکم اضطراری کے بجالانے سے حکم واقعی ساقط ہو جاتا ہے۔

سوال:۲۲۶۔کس طرح امر اضطراری (مامور بہ) امر واقعی سے مجزی ہوتا ہے اس کی توضیح بیان کریں؟

جواب:۲۲۶۔اجزاء میں دو مورد میں گفتگو ہے ایک امر اضطراری اور دوسرے امر ظاہری میں ہے ابھی ہماری گفتگو اس میں ہوگی کہ کس طرح امر اضطراری کی توجیہہ کرتے ہیں کہ وہ امر واقعی سے کفایت کرتا ہے معمولاً چار طرح کی تاویل بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔امر اضطراری کیونکہ مکلّف کے لئے تخفیف اور ارفاق کے لئے آیا ہے اس وجہ سے امر اضطراری کے انجام سے امر واقعی کا ثواب ملتا ہے۔

۲۔ کیونکہ اکثر اوامر اضطراری مطلق ہیں اور جب تکلیف واقعی معلوم نہ ہو تو امر اضطراری مامور بہ تکلیف انحصاری رکھتا ہے مثلاً جب پانی وضوء کے لئے موجود نہیں ہے تو وہاں تیمّم مامور بہ انحصاری ہے جیسے حدیث ہے "ان التراب یکفیک عشر سنین"

۳۔ قضا وہاں ہوتی ہے جہاں مامور بہ فوت ہو گیا ہو تیمّم والی نماز کو فوت نماز نہیں کہا جاتا اور مولیٰ تیمّم والی نماز کو مجزی فرض کرتا ہے۔

۴۔ مثلاً اُمر اضطراری کو بجالانے کے بعد جب اضطرار ختم ہو جائے تو ہم شک کریں کہ اصل تکلیف باقی ہے یا نہیں تو یہاں قاعدۃ اصالۃ برائت کو جاری کریں گے مرحوم مصنفؒ اور مشہور فقہاء کا نظریہ ہے کہ یہ امر اضطراری مطلقاً حکم واقعی سے کفایت کرتا ہے خواہ مامور بہ کا وقت موجود ہو اور کشف خلاف ہو جائے یا کشف خلاف وقت مامور بہ کے گذرنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو جائے۔

سوال: ۲۲۷۔ اجزاء امر ظاہری میں کن امور سے گفتگو ہوتی ہے اور امر ظاہری سے کیا مراد ہے؟

جواب: ۲۲۷۔ اس میں پانچ مباحث ذکر ہوئے ہیں۔ (۱) مقدمہ بحث (۲) امارہ پر عمل کرنے کے بعد یقینی طور پر کشف خلاف ہو جائے تو امارہ پر جو عمل انجام دیا ہے وہ مجزی ہو گا (۳) اصول پر عمل کرنے کے بعد کشف خلاف ہو جائے تو کیا وہ عمل مجزی ہے (۴) حجیت معتبرہ کے ذریعے کشف خلاف ہو تو اس صورت میں امارہ و اصول کا عمل مجزی ہو گا (۵) تبدیل قطع میں بحث۔

امر ظاہری کی اصطلاح میں دو تعریفیں کی گئیں ہیں (۱) وہ احکام شرعیہ ظاہریہ جو اصول عملیہ سے حاصل ہوں (۲) وہ احکام شرعیہ ظاہریہ جو حکم واقعی سے جاہل ہونے کی صورت میں مکلفین کے لئے مقرر کئے گئے ہوں خواہ وہ امارات یا ظنون معتبرہ یا اصول عملیہ کے ذریعے سے حاصل ہوں یا کسی بھی طریقے سے حاصل ہوں یہ دوسری اصطلاح پہلے والی اصطلاح سے اعم ہے۔

سوال: ۲۲۸۔ حکم ظاہری جو حکم واقعی کے خلاف ثابت ہو جائے اس میں کتنی صورتیں ہیں مرحوم مصنفؒ کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۲۸۔ حکم ظاہری جو امارہ سے ثابت ہوا ہو اور حکم واقعی جو قطع سے حاصل ہوا ہو یا حجت معتبرہ سے حاصل ہوا ہو یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہوں یا وہ حکم ظاہری جو اصل عملی سے حاصل ہوا ہے وہ حکم واقعی جو قطع سے حاصل ہوا

ہے یا حجت معتبرہ سے حاصل ہوا ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہوں اور اگر حجت معتبرہ کے خلاف حکم ظاہری آ جائے خواہ وہ حکم ظاہری امارۃ سے ثابت ہو یا اصل عملی سے ثابت ہو تو اس حکم ظاہری کا انجام دینا حکم واقعی اور قضاء انجام دینے سے کفایت کرے گا۔

مثلاً مکلّف نے امارۃ پر عمل کرنے کے بعد اسے حکم واقعی کا یقین ہو گیا اور جو امارۃ کے حکم شرعی (جس کو بجالایا ہے) اس کے خلاف تھا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا احکام شرعیہ میں کشف خلاف ہو گیا جیسے ایک روایت وجوب جمعہ پر دلالت کرے اس کے بعد کوئی دلیل قطعی آ جائے کہ نماز ظہر جمعہ کے دن واجب ہے اسی طرح موضوعات احکام میں پہلے بینہ (گواہ) نے کہا کہ یہ لباس پاک ہے مکلّف نے ان کے کہنے پر اس میں نماز پڑھ لی بعد میں مکلّف کو یقین ہو گیا کہ یہ لباس نجس تھا تو یہاں معروف علماء امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر امارۃ کے خلاف یقین ہو جائے خواہ احکام ہوں یا موضوعات ہوں تو یہ امارۃ کا عمل مجزی نہیں ہو گا کیونکہ علماء امامیہ کو (تخطیہ) کہتے ہیں اور جب خطأ ظاہر ہو گئی ہے تو اس کی معذوریت ختم ہو گئی ہے اب مکلّف پر واجب ہے کہ حکم واقعی پر عمل کرے۔

لیکن معتزلہ قائل ہیں کہ امارہ پر عمل کرنے سے مصلحت ایجاد ہوتی ہے کہ جو حکم واقعی پر عمل نہ کرنے سے نقص لازم آتا ہے اس کو وہ مصلحت پورا کر دیتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا حکم مجتہد کی رائی کے تابع ہوتا ہے اگرچہ مرحوم انصاری مصلحۃ سلوکیہ کے قائل ہیں لیکن یہاں امارۃ کے عمل کو مجزی نہیں سمجھتے کیونکہ یقینی کشف خلاف ہو گیا ہے امارۃ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔

سوال: ۲۲۹۔ اگر اصول عملیہ پر عمل کرنے کے بعد کشف خلاف ہو جائے تو کیا اصول عملیہ پر عمل کرنا مجزی ہو گا؟

جواب: ۲۲۹۔ اصول عملیہ دو قسم پر ہیں (۱) عقلی: جہاں عقل حکم کرتا ہے جیسے اصالۃ الاحتیاط، قاعدہ تخییر عقلی و برائت عقلیہ (قبح عقاب بلا بیان) (۲) برائت شرعی: جب حکم واقعی میں شک ہو جائے تو شارع ان پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے جیسے استصحاب، برائت شرعیہ، اصالۃ الطہارۃ والحلیۃ اور جب مکلّف اصالۃ احتیاط پر عمل کرے گا تو حکم ظاہری اور واقعی دونوں کو بجالایا ہے اور قاعدۃ تخییر عقلی و برائت عقلیہ اس صورت میں دلیل کہلاتی ہے جب کوئی اور دلیل نہ ہو اور جب ہمارے پاس حکم واقعی کی دلیل آ گئی تو اصلی عملی پر عمل بے فائدہ ہو جائے گا پس یہ اصول عملیہ مسائلۃ اجزاء میں مورد بحث واقع نہیں ہو سکتے لیکن مسائلۃ اجزاء میں استصحاب اور اصالۃ الطہارۃ سے گفتگو کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ خود مستقل دلیل کہلاتے ہیں۔

لیکن اس میں علماء کے دوقول ہیں (۱) اکثر اصولین قائل ہیں کہ استصحاب اور اصالۃ الطہارۃ کا عمل حکم واقعی کے کشف ہونے کے بعد مجزی نہیں ہوگا (۲) لیکن مرحوم آخوندؒ اور مرحوم اصفہانیؒ موضوعات میں مجزی سمجھتے ہیں احکام میں مجزی نہیں سمجھتے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں موضوعات میں شارع نے حکم ظاہری کو حکم واقعی فرض کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ موضوعات میں عمل مجزی نہیں ہوگا۔

سوال: ۲۳۰۔ امارات و اصول عملیہ پر عمل کرنے کے بعد حجت معتبرہ کے ذریعے کشف خلاف ہوجائے تو وہ گذشتہ عمل مجزی ہوگا؟

جواب: ۲۳۰۔ عموماً یہ مسألۃ مکلفین کے لئے مورد بحث ہے مثلاً پہلے کسی مجتہد کی تقلید کرتے تھے اب کسی اور کی تقلید کرنا شروع کردی ہے اور گذشتہ عمل موجودہ مجتہد کے فتوی کے خلاف ہے تو پہلے والے عمل کا اعادہ وقضاء ضروری ہے یا وہ پہلے والا عمل مجزی ہوگا اس میں علماء فرماتے ہیں کہ موضوعات خارجیہ میں مجزی نہیں ہے لیکن احکام خصوصاً عبادات میں اجماع ہے کہ مجزی ہیں۔

☆☆☆☆☆

المسالة الثانية — مقدمة الواجب

مقدمة الواجب من ای قسم من المباحث الاصولية

سوال:۲۳۱۔مقدمہ واجب کے باب میں کن امور سے گفتگو ہوگی؟

جواب:۲۳۱۔(۱) بحث اختلافی مقدمہ واجب (۲) مقدمہ واجب کی بحث کی ماہیت کیا ہے (۳) اختلاف کا ثمرہ (۴) واجب نفسی وغیری (۵) وجوب غیری میں تبعیت کا معنی (۶) وجوب غیری کی خصوصیات (۷) مقدمہ وجوب (۸) مقدمہ داخلیہ (۹) شرط شرعی (۱۰) شرط متاخر (۱۲) مقدمات مفوتہ (۱۳) بحث کا نتیجہ اور مذکورہ مسائلۃ میں اقوال۔

سوال:۲۳۲۔ماہیت مقدمہ واجب کی بحث مباحث اصولی کے کن اقسام میں سے ہے؟

جواب:۲۳۲۔اس میں دو قول ہیں بعض اس بحث کو مباحث الفاظ سے سمجھتے ہیں اور بعض مباحث عقلیہ سے اسی وجہ سے ان دونوں قولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنفؒ ملازمات عقلیہ سے شمار کیا ہے کیونکہ دونون اقوال میں مطمع نظر یہی ہے کہ مقدمہ واجب کی بحث جو ملازمہ عقلیہ میں ہے اگر غیر بین یا بین بالمعنی الاعم ہو تو ملازمات عقلیہ غیر مستقلہ میں سے ہوگی اگر ملازمہ بین بالمعنی الاخص سے ہو تو مباحث الفاظ سے ہوگی۔

سوال:۲۳۳۔مقدمہ واجب میں اختلاف کس میں ہے؟

جواب:۲۳۳۔یہ بات عقل مند کے لئے واضح ہے کہ کسی واجب کو انجام دینے کے لئے اس کے مقدمات کو بجالانا ضروری ہوتا ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ جب مکلف ان مقدمات عقلیہ کو انجام دینے کے بعد حکم شرعی کو کشف کر سکتا ہے یعنی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم عقلی، حکم شرعی ہے۔

سوال:۲۳۴۔ثمرۂ نزاع اس مقدمہ واجب کی بحث میں کیا ہے؟

جواب:۲۳۴۔اگرچہ ثمرہ مہم یہ ہے کہ مقدمہ کا واجب عقلی ہونا یہ وجوب شرعی کو ثابت کرتا ہے یا نہیں؟ اور علم اصول میں بحث کرنے کے لئے یہی ثمرہ کافی ہے لیکن اس بحث کا عملی ثمرہ نہیں ہے لیکن کچھ مسائل جو اس بحث سے مربوط ہیں مثلاً مقدمات مفوتہ اور مقدمات عبادیہ یہ علم اصول میں مورد توجہ ہیں اسی وجہ سے اس بحث کی علم اصول میں ضرورت ہے اور اس میں (۹) امور قابل گفتگو ہیں۔

سوال:۲۳۵۔وجوب غیری کی خصوصیات بیان کریں؟

جواب:۲۳۵۔وجوب غیری خود تو واجب نفسی کی طرح مستقل نہیں ہوتا بلکہ اس کا وجوب کسی دوسرے واجب کے وجوب کے تابع ہوتا ہے اس کی چار خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) واجب غیری میں مستقل طور پر اطاعت الٰہی نہیں ہوتی بلکہ ذی المقدمہ کے تابع ہوتی ہے۔(۲) جب مستقل طور پر واجب غیری اطاعت نہیں رکھتا لیکن اس کے ترک اور انجام دینے پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے۔(۳) واجب غیری واجبات توصلی میں سے ہے کیونکہ اس میں قصد امتثال ضروری نہیں ہے۔(۴) واجب غیری کا مطلق ومشروط ہونا ذی المقدمہ کے تابع ہے۔

سوال:۲۳۶۔مقدمہ واجب کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب:۲۳۶۔مقدمہ واجب کی دو قسمیں ہیں (۱) مقدمہ واجب جس کو ذی المقدمہ کے لئے مقدمہ وجوبیہ کہتے

ہیں مثلاً حج کا وجوب ذی المقدمہ ہے اس کا وجوب موقوف ہے کہ پہلے استطاعت ہو اسی طرح عبادات کا وجوب موقوف ہے کہ بلوغ، عقل وقدرت ہو۔

(۲) مقدمہ واجب کو مقدمہ وجوبیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ ذی المقدمہ مثلاً حج کا وجوب موقوف ہے کہ مکلّف نے سفر کو طے کیا ہو اسی طرح نماز کا وجوب موقوف ہے کہ وضوء انجام دے چکا ہو اور اسی وجہ سے مقدمہ وجوبیہ کو مقدمہ مشروط بھی کہتے ہیں کیونکہ مقدمہ وجوبیہ ذی المقدمہ کے لئے شرط ہے لیکن مقدمہ واجب کو واجب مطلق بھی کہتے ہیں کیونکہ نماز کا وجوب اس پر موقوف نہیں ہے اور ہماری گفتگو بھی مقدمہ واجب میں ہے جب مقدمہ موجود نہیں ہوگا تو ذی المقدمہ کا وجود نہیں ہوگا تو اس صورت میں مقدمہ کے وجوب میں بحث بے معنی ہوگی۔

سوال: ۲۳۷۔ مقدمہ وجوبیہ کی کتنی قسمیں ہیں اس کی تعریف کریں؟

جواب: ۲۳۷۔ مقدمہ وجوبیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مقدمہ داخلیہ (۲) مقدمہ خارجیہ

مقدمہ داخلیہ: واجب مرکب کے اجزاء کو کہا جاتا ہے مثلاً نماز کے لئے رکوع، سجود وغیرہ۔

مقدمہ خارجیہ: مثلاً وہ مقدمہ جو ذی المقدمہ سے جدا ایک وجود رکھتا ہے اور اس ذی المقدمہ کا انجام دینا اس جداگانہ مقدمہ پر موقوف ہو جیسے وضوء برائے نماز۔

سوال: ۲۳۸۔ مقدمہ وجوبیہ کی کون سی قسم مورد بحث ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ۲۳۸۔ پہلے جیسے عرض کر چکے ہیں کہ مقدمہ وجوبیہ کی دو قسمیں ہیں داخلیہ اور خارجیہ لیکن مقدمہ داخلیہ کو بعض بزرگان مقدمیت سے خارج کرتے ہیں کیونکہ ذی المقدمہ کے اجزاء عین مقدمہ ہیں ان میں غیریت نہیں ہے جس طرح وجوب مرکب کے اجزاء عین وجوب مرکب ہیں یعنی ذی المقدمہ وجوب نفسی رکھتا ہے تو اس کے اجزاء بھی وجوب نفسی رکھتے ہیں پس ایک شئی وجوب نفسی بھی ہو اور وجوب غیر نفسی بھی ہو یہ محال ہے اسی وجہ سے مقدمہ خارجیہ کو مقدمہ کہا جاتا ہے اور یہ اتفاقی بات ہے کہ مورد اختلاف اور محل نزاع مقدمہ خارجیہ ہی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

مقدمہ عقلیہ: وہ مقدمہ ہے کہ عقل جس کے بارے میں مستقل طور پر حکم کرتا ہے کہ ذی لمقدمہ کو وجود اس کے بغیر ممکن نہیں ہے جیسے حج انجام دینے کے لئے مسافت کا طے کرنا ضروری ہے اس کے بغیر حج کے اعمال انجام دینا ممکن نہیں ہے۔

مقدمہ شرعیہ: وہ مقدمہ ہے جو شرعی طور پر واجب ہو جیسے وضوء نماز کے لئے شرعی طور پر واجب ہے اور نماز کا مقدمہ بھی ہے ان دونوں مقدموں میں خواہ مقدمہ شرعی ہو یا عقلی اس میں نزاع ہی یہ ہے کہ جس مقدمہ میں بحث ہے وہی مقدمہ خارجیہ شرطیہ ہے یا کوئی اور مقدمہ ہے۔

سوال: ۲۳۹۔ مقدمیت میں کتنے شرائط متصور ہیں؟

جواب: ۲۳۹۔ ا۔ شرط متقدم: ذی المقدمہ کا وجوب جس شرط پر موقوف ہو جیسے وضوء برائے نماز

۲۔ شرط مقارن: جس مقدمہ شرطیہ کا زمان اور ذی المقدمہ کا زمان ایک ہو جیسے سمت قبلہ اور نماز کی ادائیگی اسی طرح نماز اور طہارت لباس

۳۔ شرط متأخر: جس کا وجود ذی المقدمہ کے وجود کے بعد ہو جیسے مستحاضہ کثیرہ کے لئے ماہ مبارک رمضان کے

روزے کی صحت کے لئے آنے والی رات کو غسل کرنا واجب ہے۔

سوال: ۲۴۰۔ کیا شرط متاخر امکان رکھتی ہے مرحوم کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۴۰۔ اگر چہ شرط متاخر میں اس وجہ سے اختلاف ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ مشروط کے وجود کے بعد شرط آئے لیکن مرحوم نائینیؒ نے توجیہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شرط دو طرح کی ہوتی ہے (۱) شرط مامور بہ (۲) شرط حکم اگر شرط متاخر کو مامور بہ کے وجود کے لئے فرض کریں تو مذکورہ اشکال پیش آتا ہے کہ مشروط کے موجود ہونے کے بعد شرط مقدمیۃ کا تصور معنی نہیں رکھتا ہاں! اگر حکم کے لئے شرط متاخر کو شرط مانیں تو اس کی توجیہ اس طرح ممکن ہوگی کہ شارع مقدس جعل حکم کے وقت اس شرط کو اس کے ہمراہ فرض کیا تھا مثل بیع فضولی کے صحیح ہونے کے لئے اجازہ لاحقہ شرط ہے اور مرحوم مصنفؒ شرط متاخر کو ممکن سمجھتے ہیں۔

سوال: ۲۴۱۔ مقدمات مفوتہ کی تعریف کریں؟

جواب: ۲۴۱۔ ایسے مقدمات ہیں کہ اگر وقت واجب کے آنے سے پہلے انجام نہ دیئے جائیں تو واجب (ذی المقدمہ) فوت ہو جاتا ہے خواہ شارع مقدس ان کو واجب کرے یا نہ کرے مثلاً حج کے لئے مسافت کو طے کرنا، روزہ ماہ مبارک رمضان کے لئے طلوع فجر سے پہلے غسل جنابت کا انجام دینا۔

سوال: ۲۴۲۔ مقدمات مفوتہ پر کون سے اشکالات وارد ہوتے ہیں اس کے جواب کیا ہیں؟

جواب: ۲۴۲۔ مقدمات مفوتہ کے واجب ہونے پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں (۱) یہ مسلم بات ہے کہ مقدمہ کا وجوب ذی المقدمہ کے وجوب کا تابع ہوتا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ ذی المقدمہ کے واجب ہونے سے پہلے مقدمہ واجب ہو جائے (۲) یہ کس طرح ممکن ہے کہ واجب کے وقت سے پہلے اگر اس کے مقدمہ کو ترک کر دیں تو انسان موجب عقاب ٹھہرایا جاتا ہے اگر چہ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں لیکن صاحب فصولؒ نے اس کے جواب میں واجب معلق کی اصطلاح کو اختراع فرمایا ہے اسی طرح شیخ انصاریؒ نے بھی جواب دیا ہے اس کے علاوہ بھی بزرگان نے جوابات مرحمت فرمائے ہیں لیکن مرحوم مصنفؒ نے مرحوم اصفہانیؒ کے جواب کو قبول فرمایا ہے۔

(۱) مرحوم محقق اصفہانیؒ فرماتے ہیں مقدمہ مفوتہ کا وجوب ذی المقدمہ کے وجوب کا معلول نہیں ہے بلکہ شرعاً یا عقلاً مستقل وجوب ہے اسی وجہ سے ان مقدمات کو اپنے وجوب میں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) دوسرے اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ذی المقدمہ کا وجوب مقدمات مفوتہ میں (تمام الاقتضاء) سبب کامل ہے لیکن ذی المقدمہ کے انجام دینے کا وقت نہیں آیا اسی وجہ سے اس کے بجالانے میں فعلیت نہیں آئی اگر مکلّف ان مقدمات کو ترک کر دے تو حقیقت میں غرض مولیٰ کو فوت کیا ہے جو موجب عقاب ہے۔

سوال: ۲۴۳۔ مقدمۃ عبادیہ کی تعریف کریں؟

جواب: ۲۴۳۔ کسی عبادت کے صحیح ہونے کے لئے مقدمۃ کو (جو واجب توصلی ہے) قربت الی اللہ بجالانا اس کو مقدمۃ عبادی کہتے ہیں جیسے نماز کے لئے طہارات ثلاثہ کو قصد قربت بجالائے تاکہ یہ طہارات عبادت شمار ہوں۔

سوال: ۲۴۵۔ مقدمۃ عبادی پر کون سا اشکال وارد ہوتا ہے مصنفؒ نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟

جواب:۲۴۵۔مقدمۃ عبادی پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں (۱) واجب غیری فقط توصلی ہو سکتا ہے اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ اُمر عبادی ہو کر مقدمۃ بن سکے (۲) واجب غیری واجب غیری ہوتے ہوئے ثواب نہیں رکھتا بلکہ امر عبادی ثواب رکھتا ہے پس کیسے واجب غیری عبادی ہو گیا ہے۔

مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں کہ پہلے تو مقدمۃ واجب وجوب غیری نہیں رکھتا تا کہ مذکورہ اشکالات اس کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ شارع کی طرف سے ان طہارات ثلاث کے لئے مقدمات بننے سے پہلے حکم استحبابی تھا جس وجہ سے یہ طہارات ثلاث عبادت میں شمار ہوتے تھے علاوہ اس کے جو فعل مولیٰ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور انسان اس کو جو قصد قربت کے طور پر بجالائے تو وہ عبادی ہو جاتا ہے خواہ پہلے عبادی بھی نہ ہو پس ہر مقدمۃ توصلی وغیری ہی کیوں نہ ہو اگر قصد قربت سے بجالایا جائے تو عبادی کہلاتا ہے۔

سوال:۲۴۶۔مقدمۃ واجب کے وجوب میں کتنے اقوال ہیں مرحوم مصنفؒ کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب:۲۴۶۔اس میں تقریباً دس اقوال ہیں (۱) مقدمۃ واجب مطلقاً واجب ہے (۲) مقدمۃ واجب مطلقاً واجب نہیں ہے (۳) مقدمۃ سببیۃ واجب نہیں بقیہ مقدمات (شرط، عدم المانع، معد) واجب ہیں (۴) مقدمۃ سببیۃ واجب ہے لیکن دوسرے مقدمات واجب نہیں ہیں (۵) مرحوم نائینیؒ شرط شرعی واجب نہیں ہے عقلی (مقدمۃ عقلیہ) واجب ہے (۶) شرط شرعی واجب ہے شرط عقلی واجب نہیں ہے (۷) صاحب فصول: مقدمۃ موصولہ واجب ہے اور غیر موصولہ واجب نہیں ہے (۸) شیخ انصاریؒ: ایسا مقدمۃ جس کے توسط سے ذی المقدمۃ تک مکلّف پہنچ جائے تو وہ واجب ہے اس کے علاوہ مقدمات واجب نہیں ہیں (۹) صاحب معالم: اگر مکلّف ذوالمقدمۃ کے انجام دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو مقدمۃ واجب ہے ورنہ واجب نہیں ہے (۱۰) مقدمۃ داخلیہ واجب نہیں ہے مقدمۃ خارجیہ واجب ہے مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں وہ مقدمۃ جس کو عقل واجب قرار دیتی ہے اگر شارع اس کے لئے وجوب مولوی کو ایجاد کرے تو تحصیل حاصل ہے اس وجہ سے جہاں حکم عقل موجود ہو وہاں امر شارع آجائے تو اس کو حکم ارشادی پر حمل کریں گے۔

المسالة الثالثه

مسالة الضد

تحریر محل نزاع

المسالتین — الضد العام — الضد الخاص

نہی عن الضد الخاص۔ فیه مسلکان

(الاول) مسلک التلازم

(الثانی) مسلک المقدمیة

ثمرة المسالة

الترتب

مسائلۃ ضد

سوال: ۲۴۷۔ مسائلۃ ضد میں محل نزاع کو بیان کریں اور مرحومؒ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۴۷۔ مسائلۃ ضد میں محل نزاع اس میں ہے کہ اگر کسی شئی کے بارے میں شارع حکم کرے (مثلاً نماز کو پڑھو) تو کیا شارع کا حکم یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس مامور بہ کی ضد (مثلاً نماز کے وقت دوسرے مباح کاموں کو انجام دینا) کو ترک کرنا واجب ہے یا تقاضا نہیں کرتا اس مسائلہ کی وضاحت کے لئے تین لفظوں کی وضاحت ضروری ہے (۱) لفظ ضد (۲) لفظ اقتضاءً (۳) لفظ نہی ان سے یہاں کیا مراد لیا گیا ہے۔

۱۔ الضد: یہاں ضد سے مطلق معاند اور منافی مراد ہے خواہ وہ شئی امور وجودی میں سے ہو یا عدمی (نقیض) میں سے اور اصولیین کے نزدیک بھی یہی چیز مورد بحث ہے۔

۲۔ اقتضاءً: اقتضا سے مراد حتمیت اور لابدیت ہے یعنی کسی شئی کے بارے میں امر ہو تو کیا اس کی ضد کو بجالانے سے حتماً منع کرتا ہے۔

نہی: نہی کا لغوی معنی ردع وزجر ہے یہاں نہی سے مراد نہی مولوی (خواہ نفسی ہو یا تبعی) مراد ہے قدماً قائل تھے کہ طلب ترک مراد ہے۔

مرحوم مصنفؒ قائل ہیں کہ امر بشئی مطلقاً مقتضی نہی عن ضدہ نہیں ہوتا خواہ ضد عام ہو یا خاص ہو کیونکہ عقل ضد کو بجالانے سے منع نہیں کرتا ہے یہی کافی ہے شارع کی طرف سے (نہی عن ضدہ) کو نہی مولوی کی ضرورت نہیں ہے خواہ وہ نہی مولوی عام ہو یا خاص ہو مثلاً نماز کا وقت آ گیا مسجد میں نجاست پڑی ہوئی ہے اور اس کو شرعی طور پر فوراً دور کرنا ضروری ہے اگر وہ نجاست کو دور نہ کرے اور نماز پڑھنا فوراً شروع کردے تو کیا یہ نماز صحیح ہے جو مامور بہ نماز ازالۃ نجاسۃ کے منافی اور ضد ہے۔

سوال: ۲۴۸ مسائلۃ ضد میں نزاع کا کیا ثمرہ ہے اور مرحوم مصنفؒ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۴۸۔ ثمرہ نزاع یہ ہے کہ نہی عبادات کے اندر عبادات کے فساد کا موجب بنتی ہے یا نہیں مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں "الحق ان النهی فی العبادة يقتضی فسادها حتی النهی الغيری علی الظاهر" اگرچہ مرحوم مصنفؒ وجود نہی عن ضدہ کے مطلقاً منکر ہیں لیکن نہی عبادات میں واقع ہوجائے خواہ وہ نہی نفسی ہو یا نہی تبعی وہ موجب فساد ہے کیونکہ عبادت میں تقرب الی اللہ شرط ہے اگر عبادت میں نہی واقع ہوجائے خواہ وہ نہی نفسی ہو یا تبعی ہو مبغوضیت مولا کا

سبب بنتی ہے تو مبغوضیت اور محبوبیت یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔

سوال:۲۴۹۔ ترتب کی تعریف کریں؟

جواب:۲۴۹۔ اگر چہ مسألہ ترتب مسائل فقہ میں سے ہے لیکن مسألہ ضد سے نشو ونما لیتا ہے اسی وجہ سے یہاں مورد گفتگو واقع ہوا ہے مثلاً دو مامور بہ ہیں ان دونوں میں شارع کی طرف سے مصلحت وملاک موجود ہے لیکن ان میں سے ایک مامور بہ اہم ہے اور دوسرا مامور بہ مہم ہے مثلاً ادا قرض واجب اور اہم ہے اگر اس کے مقابلے میں زیارات مقدسہ آجائے یعنی انسان قرض ادا نہ کرے اور زیارات کو چلا جائے جو امر مستحب ہے اور وہ قرض کے مقابلے میں مہم ہے لیکن قرض ادا کرنا اہم ہے اور اسی طرح قضا نمازیں انسان پر واجب ہیں اور انسان قضاً نمازوں کو ادا نہیں کرتا اور زیارات مقدسہ جو مستحب ہے ان کو انجام دیتا ہے اس کو ترتب کہتے ہیں پس اگر انسان اعمال عبادی جو مہم ہیں ان کو انجام دے اور اہم اعمال کو چھوڑ دے تو کیا اس پر ثواب مترتب ہوگا اور یہ ترتب عقلاً ممکن ہے مرحوم فرماتے ہیں کہ ترتب فی نفسہ ممکن ہے کیونکہ ذاتی طور پر محال نہیں ہے۔

سوال:۲۵۰۔ ترتب میں کتنے اقوال ہیں مرحوم مصنفؒ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب:۲۵۰۔ ترتب میں تین فعل ہیں۔ ا۔ جو حضرات ترتب کے قائل ہیں مثل مرحوم نائینیؒ وہ (امر بشئی نھی عن ضدہ) کو مقتضی فساد عبادت نہیں سمجھتے مثلاً اگر شخص اہم عمل کو ترک کر کے مہم کو بجالائے تو مہم صحیح ہوگا اگر چہ مکلّف عاصی ہے لیکن اس کا عصیان عبادت کی صحت میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

۲۔ اور جو لوگ قائل ہیں (مثل صاحب جواہر) کہ نہی عن ضدہ ممکن ہے لیکن موجب فساد نہیں ہے لیکن عبادت کی صحت کے لئے امر فعلی کا ہونا ضروری ہے تو عبادت اہم کو ترک کر کے مہم کو بجالانے سے عبادت باطل ہو جاتی ہے اور انسان مستحق ثواب نہیں ہوتا۔

۳۔ بالفرض نہی عن ضدہ وجود نہیں رکھتی اور عبادت کا صحیح ہونا بھی امر فعلی پر موقوف ہو تو اہم کے ترک کرنے سے امر مہم واجب ہو جاتا ہے اور وہ فعلیت حاصل کر لیتا ہے اس کو ترتب کہتے ہیں تو ترتب کے ذریعے سے اعمال مہم صحیح ہو جاتے ہیں جب فعلیت آجاتی ہے تو عقلاء امر مہم کو بجالانے میں کوئی مانع نہیں ہے پس امر مہم صحیح ہے اور موجب ثواب ہے مرحوم مصنف کا یہی عقیدہ ہے۔

المسالة الرابعه

اجماع الامرو النهي
تحرير محل نزاع
المسالة من الملازمات العقلية غير المستقله
مناقشه الكفاية في تحرير النزاع
قيد المندوحة
الفرق بين بابي التعارض والتزاحم و مسالة الاجتماع
الحق في المسالة
تعدد العنوان لا يوجب تعدد المعنون
ثمرة المسالة
اجتماع الامر و النهي (مع عدم المندوحة)
حرمة الخروج من المغصوب او وجوبه
صحة الصلاة حال الخروج
المسالة الخامسه- دلالة النهي على الفساد
تحرير محل نزاع
المبحث الاول- النهي عن العبادة
المبحث الثاني- النهي عن المعامله

مسائلہ اجتماع امر و نہی

سوال:۲۵۱۔امر ونہی کا ایک شئی میں جمع ہونا ممکن ہے یا نہیں؟

جواب:۲۵۱۔اس میں دو قول ہیں (۱) اکثر اشاعرہ اور فضل بن شاذان اور بعض متاخرین اور مرحوم مصنف قائل ہیں کہ امر ونہی ایک شئی میں جمع ہونا ممکن ہے یعنی اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ایک عنوان کے ساتھ وجوب ہو اور دوسرے عنوان کے ساتھ تحریم ہو (۲) اکثر معتزلہ اور اکثر امامیہ قائل ہیں کہ اجتماع امر ونہی ممکن نہیں ہے مرحوم آخوند قائل ہیں اگر تعدد عنوان تعدد معنون کا موجب بنے تو جائز نہیں ہے خواہ مندوحہ میں ہو یا نہ ہو۔

سوال:۲۵۲۔اجتماع امر ونہی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۲۵۲۔مامور بہ اور منہی عنہ کا ایک شئی میں جمع ہو جانا مثلاً نماز کا غصبی مکان میں انجام دینا عرف میں اس کو اجتماع امر نہی کہتے ہیں یعنی فعل ایک ہے جو دو عناوین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے مثلاً نماز کی حالت میں نامحرم کی طرف نگاہ کرنا اور یہاں جواز سے مراد جواز عقلی ہے جو امتناع کے مقابلے میں ہے۔

ابھی گفتگو اس میں ہے کہ نماز جو مکان غصبی میں انجام پائی ہے کیا مامور بہ ہے تا کہ انسان مطیع سمجھا جائے یا منہی عنہ ہے تا کہ انسان عاصی سمجھا جائے یہاں فعل ایک ہے عنوان دو ہیں یعنی اجتماع حقیقی ہے نہ اجتماع موردی کہ ہر ایک عنوان علیحدہ معنون رکھتا ہو نماز اپنا عنوان رکھتی ہے نامحرم کی طرف نگاہ کرنا علیحدہ عنوان رکھتا ہے لیکن ہماری گفتگو اس میں ہے جو ایک عنوان رکھتا ہو۔

سوال:۲۵۳۔قید مندوحہ کا کیا معنی ہے؟

جواب:۲۵۳۔مندوحہ کا معنی یہ ہے کہ مکلّف مامور بہ کو مکان مباح پر انجام دے سکتا تھا لیکن اپنے بُرے خیال اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے منہی عنہ یعنی (غصبی جگہ) پر بجالایا ہے اور امر نہی کو جمع کر دیا ہے بعض اصولیین نے اجتماع امر ونہی کی بحث میں اس کو اضافہ کیا ہے۔

مرحوم مصنف قائل ہیں کہ اگر مندوحہ ہوگا تو اجتماع صدق کرے گا کیونکہ اگر مندوحہ نہ ہو اور مکلّف کو نماز ادا کرنے کے لئے ایک ہی مکان میسر ہو اور بھی غصبی ہو تو انسان مجبور ہو جائے گا تب اضطرار میں اس کی نماز غصبی مکان میں جائز ہو جائے گی لیکن مرحوم آخوند اس کو بھی قبول نہیں کرتے۔

سوال:۲۵۴۔اجتماع امر ونہی کی بحث کا ثمرہ کیا ہے؟

جواب:۲۵۴۔اجتماع وامر ونہی کی بحث میں دو فائدے ذکر کئے گئے ہیں (۱) نماز مکان غصبی میں انجام ہو یعنی اگر مندوحہ کے ہوتے ہوئے اس نے غصبی جگہ پر نماز پڑھی تو قربت الی اللہ صدق نہیں کرے گا ہاں اگر غیر مندوحہ میں نماز پڑھی ہے تو مشہور قائل ہیں کہ نماز صحیح ہے یہاں ممکن ہے کہ صحت نماز کی دلیل خود نماز میں جو مطلوبیت ذاتی ہوتی ہے وہی ہو یہ اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب ہم اجتماع امر ونہی کے قائل ہو جائیں،

(۲) اور اگر قائل ہوں کہ اجتماع امر ونہی جائز نہیں ہے تب تعارض اڈلّہ کے قواعد کو جاری کریں گے اس صورت میں ضروری ہے کہ انسان مقام جعل وتشریع میں قائل ہو کہ اجتماع امر ونہی ممکن ہے لیکن مقام امتثال میں ممتنع ہے۔

سوال:۲۵۵۔ اجتماع امر ونہی غیر مندوحہ میں ہو تو اس کا کیا حکم ہے وضاحت کریں؟

جواب:۲۵۵۔ غیر مندوحہ دو صورتوں میں ہے (۱) سوٗ اختیار کے ساتھ ہوگا مثلاً کسی غریق کو نجات دینے کے لئے غصبی زمین سے گزرنا (۲) یا بغیر سوٗ اختیار کے ہوگا مثلاً غصبی مکان میں داخل ہوا ہے اور وہ اس پر نادم ہے اور واپس لوٹنا چاہتا ہے اس کو واپس لوٹنے میں غصبی سرزمین کو استعمال کرنا پڑتا ہے اگر چہ یہ اضطرار ہے لیکن اس کا سوٗ اختیار اس کا سبب بنا ہے پہلی صورت میں باب تزاحم یہاں جاری ہوگا اور اقوی الملاکین جو انقاذ غریق ہے اس پر عمل کریں گے اور غصبی سرزمین کی پروا نہیں کریں گے اگر چہ غصبی زمین کو استعمال کرنا گناہ ہے اسی طرح اگر کسی کو غصبی مکان پر قید کردیں تو اس کا وہاں عبادت کرنا صحیح ہے کیونکہ ﴿ اقیموا الصلاۃ ﴾ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ اس کے سوٗ اختیار سے نہیں ہے۔

(۲) دوسری صورت میں اس نادم شخص کا غصبی زمین سے نکلنا کیا حکم رکھتا ہے اس میں چند اقوال ہیں (۱) مصنفؒ کے نزدیک حرام ہے (۲) غصبی زمین سے نکلنا واجب ہے لیکن شخص غاصب مستحق عقاب ہے (۳) واجب ہے (۴) واجب بھی ہے اور حرام بھی ہے (۵) نہ واجب ہے اور نہ ہی حرام ہے لیکن خود شخص معاقب ہوگا۔

مرحوم مصنفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا ابتداء سے غصب کرنا سوٗ اختیار کی وجہ سے تھا جب تک اس غصبی جگہ سے خارج نہیں ہوگا خواہ اس غصب پر نادم ہو یا نہ ہو یہ غصب ہی شمار ہوگا اور حرمت کا سبب ہے اور اس کا راستے میں نماز پڑھنا اگر وقت تنگ ہو جائے تو صحیح ہے اگر وقت وسیع ہو تو صحیح نہیں ہے۔

مسائلۃ: نہی کی دلالت فساد پر

سوال:۲۵۶ کیا نہی کی دلالت فساد پر ہوتی ہے اور اس مسائلۃ میں محل نزاع کیا ہے؟

جواب:۲۵۶۔ اس سوال کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے لفظ دلالت نہی اور متعلق نہی اور فساد کے معنی کو واضح کرنا ہوگا اگر لفظ دلالت کا معنی اقتضاءً اور ملازمہ عقلیہ کریں تب یہ بحث ملازمات عقلیہ غیر مستقلہ سے ہو جائے گی اگر دلالت کا معنی دلالت لفظی کریں اور لازم بین بمعنی اخص سے قرار دیں تو یہ بحث مباحث الفاظ سے ہو جائے گی دونوں صورتوں میں نزاع اس میں ہوگی کہ اگر کسی شئی سے منع کیا جائے تو وہ شئی فاسد ہو جاتی ہے یعنی منع کرنے اور فاسد ہونے میں ملازمہ عقلیہ ہے۔

کیا لفظ نہی کا ظہور عقلی طور پر حرمت میں ہے خواہ نہی تحریمی ہو یا تنزیہی (کراہتی) ہو دونوں صورتوں میں مورد بحث ہے اور متعلق نہی کے لئے ضروری ہے کہ صحت وفساد کی قابلیت رکھتا ہو مثل عبادات ومعاملات۔

کیا یہاں فساد صحت کے مقابلے میں ہے اور ان دونوں میں نسبت تقابل عدم وملکہ کی ہے پس نزاع اس میں ہے کہ متعلّق اُمر میں صحت وفساد کی صلاحیت ہو تب وہ مورد نزاع مسئلہ واقع ہو سکتا ہے جیسے عبادات ومعاملات ہیں۔

سوال:۲۵۷۔ نہی عبادات میں مقتضی فساد ہے یا نہیں! مرحوم مصنفؒ کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۵۷۔ یہاں عبادات سے مراد عبادت بالمعنی الاخص ہے یعنی ایسا عمل جس کے صحیح ہونے کی شرط قصد قربت ہو لیکن وہ عبادت جو بالمعنی الاعم ہے مثلاً نماز کے لئے نجس لباس کو غصبی پانی سے پاک کرنا کیا اس سے لباس کی طہارت شرعی حاصل ہو جاتی ہے یا نہیں لیکن عبادت بالمعنی الاعم سے یہاں گفتگو نہیں ہوگی۔

نہی اگر عبادت بالمعنی الاخص میں ہو تو وہ چار صورتوں پر مشتمل ہے (۱) یا تو نہی اصل عبادت میں ہوگی مثلاً عید ان فطر میں روزہ رکھنا، حائض ونفساً کی نماز پڑھنا (۲) یا نہی جزء عبادت ہوگی مثلاً نماز میں عزائم سورتوں کا پڑھنا (۳) یا نہی شرط عبادت میں ہوگی مثلاً نجس یا غصبی لباس میں نماز پڑھنا (۴) یا عبادت کے وصف ملازم سے نہی ہوگی مثلاً ظہرین میں جہر سے پڑھنا اور نماز مغربین میں اخفات سے پڑھنا مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں ان تمام مذکورہ بالا امور میں نہی کا عبادت میں آجانا موجب فساد ہے۔

سوال: ۲۵۸۔ نہی معاملات میں موجب فساد ہے یا نہیں اور مرحوم مصنفؒ کا اس میں کیا نظریہ ہے؟

جواب: ۲۵۸۔ پہلی بات یہ ہے کہ نہی معاملات میں ارشادی ہے یا مولوی ہے ارشادی مثلاً شارع کا صبی و مجنون کو معاملہ سے منع کرنا یہ نہی ارشادی ہے یا نہی مولوی ہے مثلاً شارع کو اصلاً معاملہ یعنی شراب فروشی سے منع کرنا اگر معاملات میں نہی ارشادی ہو تو مورد نزاع نہیں ہے ہاں اگر نہی مولوی ہوئی تو یہ نہی ذات السبب سے منع کرنے کو کہہ رہی ہے یا ذات مسبب سے منع کرنے کو کہہ رہی ہے اگر ذات السبب سے منع کر رہی ہے مثلاً نماز جمعہ کے وقت کاروبار کرنا منع ہے تو عقلاً نماز جمعہ کے وقت عقد بیع کرنا اور معاملے کی صحت میں کوئی منافات نہیں ہے یہاں نہی موجب فساد نہیں ہوگی اگر نہی مسبب ہو مثلاً نفس معاملہ (فراری غلام کو فروخت کرنا) سے منع کرنا یا قرآن مجید کی فروخت کرنا اس میں اختلاف ہے۔

لیکن مرحوم مصنفؒ فرماتے ہیں کلی طور پر معاملات میں نہی کرنا مثل نہی ذات السبب کے ہے اس وجہ سے معاملات میں یہ نہی موجب فساد نہیں ہوتی خواہ وہ نہی مسببی ہی کیوں نہ ہو۔

الحمد الله رب العالمين

اللهم صلى على محمد و آل محمد و عجل فرجهم و لعن الله اعدأهم اجمعين

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۳ء
قم المقدسہ

اصول الفقه

15043
Acc No. 101298 Date 16/12/86
Section........ Status........
D.D. Class........
NAJAFI BOOK LIBRARY

اصول الفقه